Regd. L. No. 7243 Phone, 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

نومبر 1969

موتی

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ سفر میں گئے۔ بعض نے ہم میں سے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا۔ ہم ایک گرم دن ایک منزل میں اترے۔ جن لوگوں نے روزہ رکھا تھا وہ تو ضعف سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ اور جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا تھا وہ اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ چنانچہ انہوں نے خیمے کھڑے کئے اور اونٹوں کو پانی پلایا۔ رسول اللہ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ آج تو وہ لوگ جنہوں نے روزہ نہیں رکھا تھا سارا ثواب لے گئے۔

(بخاری مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی - گلبرگ - لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

ٹیلیفون
۸۰۸۰۰

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵۔ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

قیمت فی پرچہ
پاکستان ــــ ایک روپیہ
ہندوستان
ڈیڑھ روپیہ

بدلِ اشتراک
سالانہ ــــ پاکستان ــــ دس روپے
سالانہ ــــ ہندوستان ــــ پندرہ روپے
سالانہ ــــ غیر ممالک ــــ ایک پونڈ

جلد (۲۲) | نومبر ۱۹۶۹ء | شمارہ (۱۱)

فہرست

۱۔ لمعات ــــــــ ۲

۲۔ طلوعِ اسلام کا تاریخ ــــــ (شیخ سراج الحق صاحب) ــــ ۱۱

۳۔ پرویز صاحب کی پریس کانفرنس ــــ (پرویز صاحب) ــــ ۱۳

۴۔ قرآن کا معاشی نظام ــــ (پرویز صاحب) ــــ ۱۷

۵۔ سوال ــــ (پرویز صاحب) ــــ ۴۱

۶۔ حقائق و عبر ــــــــ ۴۳

۷۔ نقد و نظر ــــــــ ۵۳

۸۔ شرارِ زندگی ــــ (پرویز صاحب) ــــ ۵۷

۹۔ اسلام خطرے میں ہے۔ ــــــ ۸۰-۷۶

ایڈیٹر: محمد خلیل۔ ناشر: سراج الحق۔ مقام اشاعت ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور۔ پرنٹر: شیخ محمد اشرف۔ مطبع: اشرف پریس، ایبک روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

خدارا! ملک کو اس آگ سے بچائیے!

اس وقت پاکستان میں مذہب پرست طبقہ کی طرف سے سوشلسٹوں کے خلاف جو مہم جاری کی گئی ہے اخبار بین طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ بات گندی سے زبانیں کھینچ لینے یا منہ میں لگام دینے سے شروع ہوئی تھی۔ اور اب کیفیت یہ ہے کہ چٹا گانگ سے پشاور تک حضرات علمائے کرام اس جہاد میں مصروف ہیں۔ اس سلسلہ میں صبح و شام تقریروں کا سلسلہ جاری ہے جن کا انداز یہ ہوتا ہے کہ

> (مولانا صدیق احمد نے قوم سے اپیل کی کہ) اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانے والوں کے خلاف جہاد کیا جائے۔ تینوں علماء (مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مفتی محمد شفیع اور مولانا احتشام الحق تھانوی) نے انتباہ کیا کہ پاکستان میں اسلامی سوشلزم ملک کے غداران اور ان کی تقریروں پر ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے کہا کہ اب سوشلزم کے خلاف جہاد کرنے کا موقعہ آگیا ہے۔ اس کے لئے ہر مسلمان کو تیار رہنا چاہیئے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی نے کہا کہ سوشلزم کفر ہے ..... پاکستان میں سوشلزم کا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ اگر اسلام کو شکست ہو گئی تو پوری دنیا میں اسلام ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اور اگر ہم نے یہ جنگ جیت لی تو پورے عالم اسلام کو ہم سوشلزم کے چنگل سے دوبارہ آزاد کرا لیں گے۔

یہ لاہور میں اس عصرانہ کی تقریب کی روئیداد ہے جو شہریانِ لاہور کی طرف سے مندرجہ بالا تین علماء کے اعزاز میں پاک لگژری ہوٹل میں ۷ ستمبر کی شام دیا گیا تھا۔ یہ روئیداد اخبار مشرق کی ۸ ستمبر کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ اسی تقریب میں مفتی محمد شفیع صاحب کے ارشادات بعنوان "روزنامہ زندگی"

کی ۲۲ ستمبر کی اشاعت میں ان الفاظ میں پیش کئے گئے۔

> سوشلزم کفر عظیم ہے۔ کفر کی تمام قسموں سے زیادہ خطرناک۔ آج تک جتنے بھی کفر پائے جاتے ہیں، وہ کسی نہ کسی شکل میں خدا کو ضرور مانتے ہیں۔ صرف ملحدین کا ایک چھوٹا سا گروہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ مگر سوشلزم کی تو ابتدا ہی انکار خدا سے ہوتی ہے۔ یہ کفر عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔

ہم اس وقت سوشلسٹوں کے کفر و اسلام کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے۔ سوشلزم اور اسلام کے موضوع پر ہم طلوع اسلام میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور ان مضامین کی اشاعت بھی بڑی کثرت سے کر چکے ہیں۔ کیونکہ ان میں اس باب میں قرآن کریم کا صحیح نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ اس وقت ہم، ملک کے سنجیدہ طبقہ کی توجہ اس خطرہ کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جس سے یہ ملک، اس "جہاد" کی وجہ سے دوچار ہو رہا ہے۔

یہ حقیقت واضح ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کو مذہب کے ساتھ شدت سے لگاؤ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی اکثریت جاہل ہے۔ ظاہر ہے کہ جب جہالت کے ساتھ مذہبی شدت شامل ہو جائے تو یہ مسالہ بڑا سخت آتش گیر (INFLAMABLE) ہو جاتا ہے اور اس قسم کے مسالہ میں جب اشتعال انگیز تقریروں کی چنگاریاں پھینکی جائیں تو اس سے ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے جو کسی کے بجھائے نہیں بجھتی۔ تاریخ عالم اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جو تباہیاں مذہبی جنون (FANATICISM) برپا کرتا ہے، ہلاکو اور چنگیز کی ہلاکت سامانیاں ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس "جہاد" کا یہ سلسلہ ابھی شروع ہی ہوا ہے کہ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

> رات کو ملتان کی تاریخی عیدگاہ میں مولانا تھانوی نے عظیم الشان جلسے سے خطاب کیا۔ اس میں کم و بیش پندرہ بیس ہزار افراد شریک تھے اور مولانا سامعین کو سوشلزم کے اصلی روپ سے آگاہ کر رہے تھے۔ مدرسہ قاسم العلوم کے بارہ بیس طالب علم اور مفتی محمود کی جمعیت کے کارکن جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تھی، جلسے کے درمیان بیٹھے تھے۔ وہ "سرخ کوریوں" کی طرح اچانک جلسے سے اٹھ کر بھاگ نکلے اور سانپ سانپ پکار کر لوگوں کو خوف زدہ کیا۔ ان کی اس شرمناک حرکت نے جلسے میں بھگدڑ مچا دی۔ اس کے بعد بارہ بیس طالب علموں اور ہزاروی جمعیت کے کارکنوں نے سامعین پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ کچھ نے لاؤڈ اسپیکر کی تاریں کاٹ دیں۔ تاہم عیدگاہ کی بجلی کی وجہ سے روشنی کا انتظام بحال رہا۔ جلسے میں موجود

مرکزی جمعیت علمائے اسلام، جماعتِ اسلامی، پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی، اور مجلس احرار اسلام نے غنڈہ گردی پر جلد قابو پالیا۔ تھوڑی دیر بعد جلسہ پھر سکون سے شروع ہوگیا۔

(ہفتہ وار 'زندگی'۔ بابت ۶ ۱۰/۶۹)

یہ ابھی ابتدا ہے اور اس وقت ہو رہا ہے جب ملک میں مارشل لاء نافذ ہے۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھنے اور مارشل لاء کو اُٹھنے دیجئے۔ پھر دیکھئے کہ اس آگ کی شعلہ سامانیاں یہاں کیا تماشہ دکھاتی ہیں اور اس (بدنصیب) ملک کا حلیہ کس طرح بگڑتا ہے۔ یٰلیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً۔

ہم نہ سوشلسٹوں کے وکیل ہیں اور نہ ہی ہمارا تعلق کسی ایسی پارٹی سے ہے جس کا پروگرام سوشلزم یا اسلامی سوشلزم ہے۔ (ہمارا تعلق کسی بھی پارٹی سے نہیں) ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اس تصادم میں ملک کو جس تباہی کے جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے اسے اس سے بچانے کی کوئی تدبیر کی جائے۔ اور یہی ان سطور کی تسوید کا جذبۂ محرکہ ہے۔

مارکس اور لینن نے زندگی کا جو فلسفہ پیش کیا ہے وہ خالصتاً مادیت پر مبنی ہے۔ اس فلسفہ کا ملخص یہ ہے کہ نہ کہیں خدا کا وجود ہے نہ وحی کا، نہ رسالت کا نہ حیاتِ آخرت کا۔ نہ کوئی مستقل اقدارِ حیات ہیں نہ غیر متبدل ضابطۂ اخلاق۔ زندگی یہی طبیعی زندگی ہے اور بس۔ انہوں نے اپنے اس نظریہ کو بڑی شرح و بسط اور شد و مد سے پیش کیا ہے، اور چونکہ پادریوں کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوتی تھی اسلئے ان کے مقابلہ میں وہ ان سے بھی زیادہ سخت اور درشت لہجہ اختیار کر لیتے تھے جو بعض اوقات گستاخی کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ان کی تصنیفات اس قسم کی تحریروں اور تقریروں سے بھری پڑی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک معاشی نظام کا بھی نقشہ پیش کیا جو نظامِ سرمایہ داری کی ضد تھا۔ لینن نے اس نظام کو روس میں عملاً رائج کیا۔ اس کا نام سوشلزم تھا۔ یہی نظام کچھ تغیرات کے بعد اب چین میں بھی رائج ہے۔

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ ایک چیز ہے سوشلزم کا فلسفۂ حیات اور دوسری چیز ہے اس کا معاشی نظام۔ ہمارے ان علمائے کرام کی ٹیکنیک یہ ہے کہ یہ مارکس لینن کی تصنیفات سے وہ اقتباسات چن چن کر نکال لیتے ہیں جن میں خدا۔ وحی۔ رسالت۔ آخرت سے انکار کیا گیا ہے، اور عوام سے کہتے ہیں کہ یہ ہے وہ سوشلزم جسے پاکستان میں رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ کونسا مسلمان ہے جو ان خرافات کو سنے اور وہ ان لوگوں کے خون کا پیاسا نہ ہو جائے جن کے متعلق بتایا جائے کہ

وہ اس الحاد اور بے دینی کو پاکستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں!

یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ یہ علماء حضرات پاکستان کے جن لوگوں کو سوشلسٹ قرار دے کر ان کی اس قدر شدید مخالفت کر رہے ہیں، کیا ان کے یہی عقاید ہیں؟ یعنی کیا وہ خدا، وحی، رسالت، آخرت کے منکر ہیں؟ ان میں ایک گروہ تو خود علماء کا ہے جن کے سربراہ مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی کر رہے ہیں۔ ہمیں ان حضرات سے خود اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے والوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو خدا۔ رسول۔ کتاب۔ آخرت کا منکر ہے؟ ان کے پراپیگنڈہ کا دوسرا ہدف وہ گروہ ہے جس کی سربراہی مسٹر بھٹو کرتے ہیں۔ ہمیں ان سے بھی کوئی تعلق نہیں لیکن ہم ان کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے والوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ ان کی کسی تحریر یا تقریر سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ خدا۔ رسول۔ کتاب یا آخرت کے منکر ہیں؟ اس گروہ کا ترجمان ہفتہ وار نصرت (لاہور) ہے۔ اس کی قریب قریب ہر اشاعت میں اس کا اقرار اور اعلان ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے متبع ہیں اور سوشلزم کے معاشی نظام کے اس لئے حامی ہیں کہ وہ نظام (ان کی بصیرت کے مطابق) اسلامی نظامِ معیشت کے مطابق ہے۔ مثلاً اس وقت ہمارے سامنے نصرت کا ۵ اکتوبر کا پرچہ ہے۔ اس میں پاک۔ چین دوستی کے عنوان سے اداریہ لکھا گیا ہے۔ اس میں تحریر ہے۔

> اسلام ایک انقلابی اور فطری دین ہے جو زندہ خدا نے زندہ انسانوں کے لئے مرتب کیا ہے اور قرآن کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اس دین کی کسوٹی پر کائنات کا جو علم بھی کھرا ثابت ہو وہ ہماری کھوئی ہوئی میراث ہے اور اس میراث کا حصول ہمارا حق ہے۔ چین کے انقلاب نے اسلام کے معاشی اور معاشرتی اصولوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اور وہ اصول جو جزدانوں میں بند پڑے تھے اور ان پر صدیوں کی بے عملی کی گرد جم گئی تھی، ایک مرتبہ پھر نکھر کر ہمارے سامنے آگئے ہیں اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ قرآن واقعی ہر دور کے لئے قابلِ عمل دستور ہے۔

اور آخر میں کہا گیا ہے۔

> قرآنِ عظیم کی تعلیمات کو دلوں میں اور نبی اکرمؐ کی سیرت پاک کو آنکھوں میں سمائے ہم سوشلسٹ معیشت اور معاشرت کو لبیک کہتے ہیں کہ اقبال کے مطابق یہی اسلام کا مقدر اور اسکی اصل روح ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پاکستان اور چین

سیاسی ہی نہیں روحانی دوست بھی بن جاتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں اقبال کا یہ خواب بھی پورا ہو سکتا ہے کہ سامراج، سرمایہ داری اور جاگیرداری کے تراشے ہوئے بتوں کو لا کہہ کر توڑ دینے والا اشتراکی معاشرہ آگے بڑھ کر الا اللہ بھی کہہ گزرے۔ اشتراکیت کے لئے لا کی منزل سے نکل کر الا اللہ کی اقلیم میں داخل ہونے کی اس سے بہتر راہ کیا ہو گی کہ لا کا سب سے بڑا نمائندہ چین اور الا اللہ کا سب سے بڑا نمائندہ پاکستان ہاتھ میں ہاتھ دیئے آگے بڑھیں اور جہاں ہم چین سے لا کے معنی سمجھیں وہاں اسے الا اللہ کے معنی سمجھا دیں۔ اور یوں کسی مقام پر دونوں پکار اٹھیں ــــ لا الٰہ الا اللہ۔

ہم نے یہ طویل اقتباس صرف یہ واضح کرنے کے لئے درج کیا ہے کہ جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہو کیا ان کے متعلق دیانتداری سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خدا، رسول، وحی، آخرت، کے منکر ہیں اور پاکستان میں ایک ایسا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں جس کی بنیاد دہریت پر ہے جس انداز سے ان لوگوں کی مخالفت کی جا رہی ہے، اس سے اگر اہل پاکستان اس نتیجہ پر پہنچیں کہ یہ حضرات بد دیانتی سے غلط عقائد ان لوگوں کی طرف منسوب کرتے اور اپنے کسی اور مقصد کے حصول کے لئے، اسلام کو بطور سپر استعمال کر رہے ہیں، تو کیا وہ اپنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے؟ ان حضرات سے ہم گزارش کریں گے کہ اگر آپ کو یہاں کے (مبینہ) سوشلسٹوں کی کسی تقریر، تحریر یا تصنیف میں، کوئی ایسی بات ملے جس سے خدا، رسول، آخرت کا انکار پایا جائے، تو آپ اسے اس شخص کی طرف منسوب کر کے، جس کا وہ بیان ہے، اس کی مخالفت کیجئے۔ بات صاف ہو جائے گی۔ یا اگر آپ سوشلزم کے معاشی نظام کو اسلام کے معاشی نظام کے خلاف سمجھتے ہیں تو اپنے اعتراضات کو اسی حد تک ہی محدود رکھئے۔ یعنی یہ کہئے کہ ہم اس معاشی نظام کو اسلامی نظام کے مطابق نہیں سمجھتے اس لئے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ تو نہ کہئے کہ مارکس اور لینن کے ملحدانہ عقائد کو ان لوگوں کی طرف غلط منسوب کر کے عوام کو ان کے خلاف مشتعل کر دیا جائے۔ ایسا کرنا کس قدر فریب دہی ہے اس کا اندازہ ایک مثال سے لگائیے۔ اس وقت یورپ، امریکہ، ہندوستان وغیرہ جن ممالک میں جمہوریت رائج ہے وہاں نظام سیاست سیکولر ہے۔ آپ پاکستان میں جمہوریت رائج کرنا چاہتے ہیں اور اسے عین اسلام قرار دیتے ہیں۔ اب اگر آپ کا کوئی مخالف، یہ کہہ کر آپ کے خلاف پراپیگنڈہ کرے کہ یہ حضرات جس نظام (جمہوریت) کو یہاں رائج کرنا چاہتے ہیں اس میں مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں رہتا، حکومت کے کاروبار میں خدا اور رسول کا نام تک نہیں لیا جا

سکتا ــــ اور اس کی تائید میں سیکولرازم کے حامیوں کے اقوال پیش کرنا شروع کر دے اور لوگوں سے کہے کہ مسلمانو! بتاؤ کیا تم ایسا نظام قبول کر لو گے؟

ہم پوچھتے یہ ہیں کہ جو شخص جمہوریت کی مخالفت میں اس قسم کی روش اختیار کرے، اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ جو کچھ آپ اس کے متعلق کہیں گے، وہی کچھ اس وقت سنجیدہ طبقہ آپ کے متعلق کہتا ہے جب آپ پاکستان میں سوشلزم کے حامیوں کی مخالفت یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اس نظام میں خدا، رسول، آخرت سے انکار ہوتا ہے۔

پھر یہ علماء حضرات کہتے ہیں کہ نظامِ سرمایہ داری بھی اسی طرح خلافِ اسلام ہے جس طرح سوشلزم کا نظام ــــ یورپ اور امریکہ وغیرہ ممالک میں نظامِ سرمایہ داری کی حامل قومیں یہود ی اور عیسائی ہیں۔ قرآن کریم بالفاظِ صریح انہیں کافر اور مشرک قرار دیتا ہے۔ پاکستان میں بھی اس وقت نظامِ سرمایہ داری رائج ہے۔ ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے نظامِ سرمایہ داری کی مخالفت کرتے ہوئے یہ بھی کبھی کہا ہے کہ پاکستان میں جو لوگ نظامِ سرمایہ داری کے حامی ہیں وہ کافر و مشرک ہیں؟ یہاں کے سرمایہ دار تو ایک طرف آپ نے تو کبھی امریکہ اور یورپ کے سرمایہ داروں کو بھی کافر و مشرک نہیں کہا؟ تو کیا اس کے بعد آپ فرمائیں گے کہ جب نظامِ سرمایہ داری پر بحث کرتے ہوئے آپ سرمایہ دار ممالک کے کافرانہ و مشرکانہ عقائد کو بیچ میں نہیں لاتے تو سوشلزم کے نظام کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے وقت ایسا کیوں کرتے ہیں؟

اور اگلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ جس شد و مد سے آپ سوشلزم کے خلاف پراپیگنڈہ کر رہے ہیں، کیا آپ نے آج تک نظامِ سرمایہ داری کے خلاف بھی اس طرح کے محاذ قائم کئے ہیں؟ اگر ایسا نہیں کیا (اور نہ کبھی پہلے کیا ہے، نہ آج کر رہے ہیں) تو اگر آپ کے متعلق لوگ یہ سمجھیں کہ آپ اصل میں تو صرف سوشلسٹ نظام کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں اور نظامِ سرمایہ داری کے الفاظ محض برائے وزنِ بیت استعمال کر دیتے ہیں، تو کیا وہ ایسا سمجھنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے؟

اس صراحت کے بعد ہم ان حضرات سے گزارش کریں گے کہ آپ کو سوشلزم کی مخالفت مقصود ہے تو اس کے معاشی نظام کو اپنی تنقید کا موضوع بنائیے۔ مارکس اور لینن کے کافرانہ عقائد کو سامنے لا کر عوام کے جذبات کو مشتعل نہ کیجئے۔ اس سے ملک میں باہمی خانہ جنگی کی ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جو کسی کے بجھائے نہ بجھ سکے گی۔ اور اگر آپ کا مقصد ہی یہ ہے تو پھر دیانتداری کا تقاضا ہے کہ کھلے بندوں اس کا اعلان کیجئے۔

اب ہم دوسری طرف ان حضرات کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں جو یہاں سوشلزم کے حامی ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں۔ آپ یہاں سوشلزم کا اقتصادی نظام رائج کرنا چاہتے ہیں' اور سوشلزم کے فلسفۂ حیات (یعنی خدا، وحی، رسالت، آخرت کے انکار پر مبنی فلسفۂ حیات) کے اسی طرح مخالف ہیں جس طرح دیگر مسلمان — اگر بات واقعی یہ ہے تو پھر ہم گزارش کریں گے کہ ہم جو کچھ عرض خدمت کرنا چاہتے ہیں' اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔

اس وقت صورت یہ ہے کہ جب "سوشلزم" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے ذہن فوراً اس فلسفۂ حیات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ سوشلزم کا اقتصادی نظام ذہن میں نہیں آتا۔ بالفاظِ دیگر، "سوشلزم" کی اصطلاح کچھ اس طرح رائج ہو چکی ہے کہ اس کے فلسفۂ حیات کو اس کے اقتصادی نظام سے الگ کیا ہی نہیں جاتا۔ اس تصور کی تقویت اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ روس اور چین — جو اس وقت سوشلزم کے علمبردار ہیں — دونوں' سوشلزم کے فلسفۂ حیات کے معتقد ہیں۔ اندریں حالات' جو لوگ یہاں سوشلزم کے مخالف ہیں' وہ تو ایک طرف' خود سوشلزم کے حامیوں کے لئے بھی' سوشلزم کے اقتصادی نظام کو اس کے فلسفۂ حیات سے الگ کر کے' سمجھنا اور سمجھانا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ التباس جس سے آپ کے مخالفین فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ آپ سوشلزم سے مراد اس کا اقتصادی نظام لیتے ہیں' اور آپ کے مخالفین' سوشلزم کے فلسفۂ حیات کو سامنے لا کر' نہ صرف آپ کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں بلکہ' عوام کو آپ کے خلاف نعل در آتش کر دیتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جب صورت حال یہ ہے کہ اس اصطلاح کے استعمال کی وجہ سے آپ کے خلاف اس قدر پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے تو آپ اس اصطلاح کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ یہ اصطلاح کوئی آیت قرآنی نہیں جسے ترک کر دینے سے آپ کافر ہو جائیں گے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم نے اس اصطلاح کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ بڑھا کر اسے "مسلمان کر لیا ہے"۔ لیکن آپ کے مخالفین کہتے ہیں کہ یہ جمع بین الضدین ہے۔ سوشلزم — خدا، وحی، رسالت، آخرت کی منکر — اسلامی ہو کیسے سکتی ہے۔ یہ اسی قسم کی فریب دہی ہے جیسے کوئی شخص "اسلامی بت پرستی" کہہ دے۔

آپ کہتے ہیں کہ ہم (ISLAMIC SOCIALISM) کے حامی ہیں۔ لیکن آپ نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ اسلامک سوشلزم اور (UN-ISLAMIC SOCIALISM) میں فرق کیا ہے؟ اگر آپ ایسا کر دیتے تو اس سے بھی ایک حد تک بات واضح ہو جاتی۔

آپ کہتے ہیں کہ اگر ہم اس اصطلاح کو چھوڑ کر' "اسلام کے معاشی نظام" کی اصطلاح اختیار کرتے

ہیں تو اس سے مزید الجھاؤ پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اسے متعین ہی نہیں کیا جا سکیگا کہ اسلام کا معاشی نظام ہے کیا؛ ہم اس سے متفق ہیں۔ یہ اس مشکل کا حل نہیں۔ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ آپ کھلے کھلے اور واضح الفاظ میں کچھ اس قسم کا اعلان کریں کہ

(۱) سوشلزم کا فلسفۂ حیات، جسے مارکس اور لینن نے پیش کیا اور جو آجکل روس اور چین میں بالخصوص رائج ہے، خدا۔ وحی۔ رسالت۔ آخرت کے انکار پر مبنی ہے۔ یہ فلسفۂ حیات یکسر اسلام کے خلاف ہے اور ہم اسے مردود اور مطعون سمجھتے ہیں۔ اس کا ماننے والا کبھی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ ہم بحمد اللہ مسلمان ہیں اسلئے نہ ان کافرانہ عقاید کو خود مانتے ہیں نہ انہیں پاکستان میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) ہمارے نزدیک، سوشلزم کا اقتصادی نظام، اسلام کے اقتصادی نظام کے مماثل ہے۔ ایک مملکت اپنے عقاید اسلام کے مطابق رکھتی ہوئی، اس نظام کو اپنے ہاں رائج کر سکتی ہے۔ اس سے اس مملکت کے مسلمان افراد کے ایمان پر کوئی حرف نہیں آتا۔ نہ ہی اس مملکت کا نظام کافرانہ ہو جاتا ہے۔

(۳) اس نظام کے اصولی گوشے حسب ذیل ہیں۔

(ا) تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری مملکت پر عاید ہوتی ہے۔

(ب) اس مقصد کے حصول کے لئے، مملکت، وسائل پیداوار (زمین، کارخانے وغیرہ) افراد کی انفرادی ملکیت میں رکھنے کے بجائے، امت کی مشترکہ تحویل میں لے سکتی ہے۔ اس سے، فاضلہ دولت، جو نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہے، کسی کے پاس نہیں رہنے پاتی۔

(۴) یہ (معاشی) نظام، اسلام کے اس کلی نظام کا ایک گوشہ ہے جسے مملکتِ پاکستان اپنے ہاں رائج کرنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ ہم بھی یہاں اسی نظام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

اس کا اعلان، پارٹی کے مینی فسٹو (منشور) میں بھی ہونا چاہیئے اور سربراہ کے بیانات میں بھی۔ اس سے مخالفین کے لئے آپ کے خلاف غلط پراپیگنڈہ کرنے کا امکان نہیں رہیگا۔ یا کم از کم آپ حضرات کی طرف سے اتمام حجت ہو جائے گا، اور ملک خلفشار کی اس آگ سے بچ جائے گا جس کی طرف اسے اس بے دردی سے گھسیٹا جا رہا ہے۔

لیکن اگر (خدا نکردہ) آپ اپنے پندار نفس کے اس فریب میں آ گئے کہ ہم ان "مولویوں" کی خاطر اپنی اصطلاح کو کیوں چھوڑیں، تو یاد رکھیئے، آپ بھی انسانیت کی بارگاہ میں فساد انگیزی کے جرم کے اتنے ہی مرتکب قرار پائیں گے جتنے آپ کے مخالفین، جن کے لئے آپ کی ضد، اشتعال انگیزی کے مواقع بہم

پہنچائے گی۔ غالب کے الفاظ میں۔

بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

اور اگر آپ میں سے کوئی فرد یا گروہ (معاذ اللہ) سوشلزم کے مبنی بر دہریت فلسفۂ حیات کو صحیح مانتا ہے، تو اُسے اس کا اعلان کرنا چاہیئے تاکہ نہ اس کے متعلق کسی کو غلط فہمی رہے اور نہ ہی اسکی وجہ سے وہ لوگ ہدفِ طعن و تشنیع بنیں جو اس فلسفۂ حیات کو نہیں مانتے لیکن سوشلزم کے معاشی نظام کی ترویج چاہتے ہیں۔ اس صورت میں ثانی الذکر گروہ کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اول الذکر سے اپنی برأت کا اعلان کرے۔

خدا کرے کہ ہماری یہ گذارشات 'فریقین کے دل تک اتر جائیں' اور یہ (بدنصیب) ملک خانہ جنگی کی اس آگ سے محفوظ رہ جائے جس کی طرف اسے گھسیٹا جا رہا ہے۔ رَبَّنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّار۔

طلوعِ اسلام کنونیشن

۱۔ طلوعِ اسلام کی سالانہ کنونیشن ۱۷، ۱۸، ۱۹ اکتوبر کو منعقد ہوئی۔ کنونیشن مندوبین تک محدود تھی لیکن مندوبین نے بڑی کثیر تعداد میں شرکت کی جس سے کنونیشن کی رونق اور جاذبیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ بعض اعتبار سے یہ کنونیشن سابقہ کنونیشنز پر بھی فوقیت لے گئی ۔۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۲۔ انہی دنوں 'قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا ایک خاص پروگرام بھی پیش کیا گیا'۔ ۱۸ اکتوبر کی دوپہر طلبا اور طالبات اور اساتذہ پر مشتمل ایک علمی مذاکرہ ہوا جس کا عنوان تھا

جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

۱۸ ہی کی شب 'درسِ قرآن کریم کا خصوصی اجتماع ہوا جس میں پرویز صاحب نے حاضرین کے سوالات کے 'قرآنِ کریم کی روشنی میں جوابات دیئے۔ اور ۱۹ کی صبح 'طلوعِ اسلام کالج کے سلسلہ میں علمی مقالات پڑھے گئے اور پھر پرویز صاحب نے خصوصی درس دیا جس کا عنوان تھا ۔۔ قرآن کا معاشی نظام!

۳۔ پرویز صاحب کا استقبالیہ اور خصوصی درس 'اشاعتِ حاضرہ میں پیش خدمت ہیں۔ کنونیشن کی تفصیلی روئیداد اور مقالات وغیرہ آئندہ اشاعت میں شائع کئے جائینگے جو کنونیشن نمبر ہوگا۔

طلوعِ اسلام کالج

سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی رپورٹ جسے انہوں نے ۱۹ اکتوبر کی صبح سامعین کی خدمت میں پیش کیا

عزیزانِ گرامی قدر! میں آپ کی خدمت میں ایک ایسے اہم اور مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوا ہوں جس کا تصور میرے لئے وجہ بالیدگیٔ روح اور باعثِ شادابیٔ قلب ہے۔ اور وہ فریضہ ہے طلوعِ اسلام کے مجوزہ کالج کا تعارف۔ میرے اس اہم فریضہ کا بڑی حد تک بوجھ اس پمفلٹ نے ہلکا کر دیا ہے جسے میں اس وقت آپ کے ہاتھوں میں دیکھ رہا ہوں۔ امید ہے آپ نے اس کا مطالعہ کر لیا ہوگا۔ آپ برادرانِ عزیز! مجھ سے متفق ہوں گے کہ اس باب میں دو آراء ہو ہی نہیں سکتیں کہ اگر ہم نے اپنی آنے والی نسلوں کو سنبھالنا ہے اور پاکستان کو ایک صحیح اسلامی مملکت بنانا ہے... تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم کا ایسا انتظام کریں جس سے اُن کے قلب اور دماغ دونوں انسانیت کی بلند اقدار کے پیکر بن جائیں۔ اس نظامِ تعلیم کی اہمیت تو پہلے بھی واضح تھی لیکن ملک میں چند ماہ قبل جو فسادات ہوئے اور خلفشار پھیلا، اُس نے اس احساس کو شدید تر کر دیا کہ اس نظامِ تعلیم کی ترویج میں جتنی دیر ہوتی جائے گی ملک تباہیوں کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ بنا بریں قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی نے اپنی رفتار کو تیز کیا اور کالج کی تعمیر کے سلسلہ میں عملی اقدامات شروع کر دیئے۔ فیروزپور روڈ نہر کے پل سے بائیں کنارے چلئے تو تھوڑی دور آگے جا کر نیو یونیورسٹی کیمپس کے ہوسٹل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جہاں یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے اُس کے آگے نئی آبادیوں کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سے تھوڑا آگے چل کر سڑک کے کنارے تقریب ۴۰ کنال زمین مجوزہ کالج کے لئے حاصل کر لی گئی ہے جس کی کل قیمت تقریباً ۱،۵۵،۰۰۰ روپے بنتی ہے۔ اس میں سے مبلغ ایک لاکھ ۲۰ ہزار روپے ہم ادا کر چکے ہیں اور مبلغ ۳۵،۰۰۰ روپے کی رقم ابھی واجب الادا ہے۔ کالج، ہوسٹل اور متعلقہ عمارات یعنی مکمل سکیم کے نقشے تیار ہو رہے ہیں۔ سکیم کی تکمیل تک ۱۲½ لاکھ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔ تجویز یہ ہے کہ سرِدست اس میں سے اتنا حصہ تعمیر کر لیا جائے جس سے آئندہ سال فرسٹ ایئر کی کلاس کا افتتاح ہو سکے۔ یہ تعمیر کا پہلا مرحلہ ہوگا اور اس پر دو لاکھ ۶۵ ہزار روپے صرف ہوں گے۔ تعمیر فنڈ میں ۹۴،۰۰۰ روپے کی رقم اس وقت ہمارے پاس موجود ہے اور مبلغ ۹۲،۰۰۰ روپے کے

وعدے عطی حضرات سے دسمبر کے آخر تک وصول ہو جانے کی امید ہے۔ تعمیر کے پہلے مرحلہ کی تکمیل کے لئے مزید ۲،۴۰،۰۰۰ روپے درکار ہونگے۔ یہ رقم ہمیں بہرحال مارچ ۱۹۷۰ء کے آخر تک مہیا کرنا ہوگی۔ جب پہلا مرحلہ طے ہوگیا تو پھر بتدریج پوری اسکیم کی تکمیل تین چار سال میں کرلی جائے گی۔ اسکیم کی تکمیل پر لڑکوں کے لئے اور لڑکیوں کے لئے جداگانہ کالج اور ہوسٹل وجود میں آجائیں گے۔ تعلیم یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق ہوگی۔ لیکن وہ تعلیم دی اس انداز سے جائے گی کہ قرآنی اقدار و حقائق ساتھ کے ساتھ طالب علموں کے رگ و پے میں سرایت کرتے جائیں اور چونکہ کالج ریزیڈنشل ہوگا اسلئے بچوں کی تربیت بھی اس انداز سے کی جائے گی کہ ان میں جوہرِ انسانیت کی پوری پوری نمود ہوسکے۔ آپ مجھ سے متفق ہونگے کہ اس قسم کی درسگاہ کی ضرورت بڑی شدید ہے اور اس وقت پاکستان میں کوئی ایسی درسگاہ موجود نہیں جس میں اس انداز سے تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ اس اسکیم کی تکمیل آپ حضرات کے تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی گورنمنٹ کے ہاں رجسٹرڈ ہے اور جو عطیات اس میں دیئے جاتے ہیں، حکومتِ پاکستان انہیں انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے۔ لہٰذا صاحبِ ثروت حضرات اس کارِ خیر میں دل کھول کر عطیات دے سکتے ہیں۔ عطیات کی فہرست مجلّہ طلوعِ اسلام میں شائع ہوتی رہے گی تاکہ ساتھ کے ساتھ آمدنی کا احتساب ہوتا رہے۔ اس وضاحت کے بعد میں آپ حضرات سے اپیل کرونگا کہ آپ اس کام میں ہم سے تعاون فرمادیں اور تعمیر کے پہلے مرحلہ کی تکمیل کے لئے ۲،۴۰،۰۰۰ روپے کی رقم مہیا کرنے کے لئے خود بھی عطیات دیں اور اپنے حلقۂ احباب سے بھی عطیات دلوائیں۔ اگر آپ حضرات اسی وقت اپنے عطیات کا اعلان فرمادیں تو اس سے ہماری بڑی حوصلہ افزائی ہوگی۔ خدا آپ کی ہمتوں میں برکت عطا فرمائے۔ والسلام

(شیخ سراج الحق، سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی)

(نوٹ):۔ جملہ عطیات بنام

مرزا محمد خلیل۔ خزانچی قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی۔ (رجسٹرڈ)
۲۵/بی۔ گلبرگ ۲۔ لاہور ——— کے نام بھیجے جائیں۔

(۲) کراس چیک بنام

QURANIC EDUCATION SOCIETY (REGD.) کاٹے جائیں۔

(۳) طلوعِ اسلام کی بزموں کے نمائندہ حضرات کے پاس کالج کی رسید بکس ہیں۔ عطیات دستی انہیں بھی (بااخذ رسید) ادا کئے جاسکتے ہیں۔

(۴) سوسائٹی کی طرف سے کوئی ایجنٹ عطیہ وصول کرنے کے لئے مقرر نہیں کئے گئے۔

(۱۲۲)

پرویز صاحب کی پریس کانفرنس

۱۵ اکتوبر شام (۴ بجے) محترم پرویز صاحب نے، ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کے دولت کدہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا جس میں لاہور کے جملہ ممتاز اخبارات کے نمائندگان نے شرکت کی۔ کانفرنس (نماز مغرب کے وقفہ کے ساتھ) قریب اڑھائی گھنٹہ تک جاری رہی۔ موضوعِ گفتگو اس "پریس ریلیز" میں واضح کر دیا گیا تھا جسے درج ذیل کیا جاتا ہے۔ موضوع میں اگرچہ کوئی بات سنسنی خیز نہیں تھی اور پرویز صاحب عملی سیاسیات میں حصہ بھی نہیں لیتے۔ اس کے باوجود پریس کے نمائندہ حضرات کیطرف سے جس دلچسپی کا ثبوت دیا گیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہماری صحافت، ہنگامی مسائل سے الگ ہٹ کر خالص اصولی اور نظری حقائق کی اہمیت کو بھی بخوبی محسوس کر رہی ہے۔ یہ آثار بڑے خوشگوار ہیں۔ پریس کے نمائندگان کے سوالات بڑے سنجیدہ اور بنیادی قسم کے تھے، اور پرویز صاحب کے مدلل جوابات اطمینان بخش ـــ عام تاثر یہ تھا کہ اس قسم کی پریس کانفرنسیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ہوتی رہیں تو ان کا نتیجہ بڑا تعمیری مرتب ہوگا۔

پریس ریلیز

"اسلامی" اور "غیر اسلامی" میں نزاع

جن قوموں میں نظامِ حکومت سیکولر ہوتا ہے وہ اپنے مسائل آسانی سے حل کر سکتی ہیں۔ اگر وہاں کوئی ڈکٹیٹر صاحبِ اقتدار ہے تو اس کا ہر لفظ قانون بن جاتا ہے۔ اگر جمہوری نظام ہے تو پارلیمان کے

فیصلے نافذ العمل ہو جاتے ہیں۔ وہاں اگر کسی مسئلہ زیرِ بحث کے متعلق گفتگو (یا اختلاف) ہوگا تو اس کے مفید یا غیر مفید ہونے پر ہوگا اور یہی فیصلہ کا معیار ہوگا۔ لیکن جو مملکت اسلامی ہونے کی مدعی ہو' اس کی صورت اس سے یکسر مختلف ہوگی۔ وہاں کوئی بھی نظامِ حکومت ہو' آخری فیصلہ کسی فرد یا گروہ کے ہاتھ میں نہیں ہوگا۔ وہاں دیکھا یہ جائے گا کہ جو فیصلہ کیا جا رہا ہے وہ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر وہ اسلام کے خلاف ہے تو اس کے حق میں' پارلیمان ہی کی نہیں بلکہ ملک کی پوری آبادی کی' اکیاون فیصد آراء ہی نہیں بلکہ سو فیصد آراء' پرکاہ جتنا وزن نہیں رکھیں گی۔ وہ فیصلہ ملک کا قانون نہیں بن سکیگا۔ بالفاظِ دیگر' اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ (SOVEREIGN AUTHORITY) اسلام کو حاصل ہوگا' کسی فرد یا پارٹی کو نہیں۔ حکومت' اسلامی فیصلوں کو بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوگی۔

پاکستان' اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا' اس لئے نظامِ حکومت یہاں بہرصورت اسلامی ہونا چاہیئے۔ یہ وہ قولِ فیصل ہے جس میں دو آراء کی گنجائش ہی نہیں۔ لیکن جتنی آسانی سے یہ مسئلہ (کہ یہاں کا نظامِ حکومت کس قسم کا ہونا چاہیئے) نظری طور پر حل ہو جاتا ہے' اتنی ہی مشکل اس وقت درپیش ہوتی ہے جب ہم اس نظریہ کو عمل میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وہ مشکل ہے جس کی وجہ سے اس بائیس سال کے عرصہ میں یہ طے نہیں ہو سکا کہ اسلامی نظام کہتے کسے ہیں؟ یہاں صورت یہ ہے کہ جو سوال سامنے آتا ہے' اگر ایک گروہ اسے اسلامی قرار دیتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ وہ خلافِ اسلام ہے۔ اور ملک میں کوئی اتھارٹی ایسی نہیں جس کے متعلق متفق طور پر تسلیم کر لیا گیا ہو کہ ایسے امور میں اس کا فیصلہ قولِ فیصل ہوگا۔ اتھارٹی تو ایک طرف' کوئی معیار بھی ایسا نہیں جس پر پرکھ کر' دو اور دو چار کی طرح یہ فیصلہ لے لیا جائے کہ فلاں معاملہ اسلام کے مطابق ہے یا خلافِ اسلام۔ یہ چیز بظاہر بڑی تعجب انگیز نظر آئے گی' لیکن ہے یہ حقیقت۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء دونوں آئینوں میں یہ شق موجود ہے کہ ملک کا کوئی قانون "کتاب و سنت" کے خلاف نہیں ہوگا۔ اسلئے یہ متفق علیہ معیار ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ معیار متفق علیہ ہے لیکن یہ محض نظری طور پر متفق علیہ ہے۔ عملاً کیفیت یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ کو ایک گروہ عین مطابق کتاب و سنت قرار دیتا ہے تو دوسرا اسے خلافِ کتاب و سنت ٹھہرا دیتا ہے حتیٰ کہ خود ۱۹۵۶ء کے آئین کو ایک گروہ اسلامی (یعنی مطابق کتاب و سنت) ٹھہرا کر اسے نافذ کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے' تو دوسرا گروہ اسے خلافِ کتاب و سنت قرار دیکر مسترد کر دینے پر زور دے رہا ہے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں اس وقت تک نہ کوئی آئین ایسا بن سکا ہے جسے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیا گیا ہو اور نہ ہی کوئی قانون ایسا جسے متفقہ طور پر مطابق کتاب و سنت قرار دیا گیا ہو۔ اور اس کا

منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں ایسا گروہ پیدا ہو رہا ہے جو کہتا ہے کہ جب آپ یہ طے ہی نہیں کر سکتے کہ اسلامی کسے کہتے ہیں اور غیر اسلامی کسے، تو اس جھگڑے کو ختم کر دو اور سیدھی طرح یہاں سیکولر نظام رائج کر دو۔ ملک کو اس قسم کی غیر متعین حالت میں ہمیشہ کے لئے تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ان خیالات کا پیدا ہونا بڑا ہی افسوسناک ہے لیکن ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ خیالات پیدا کردہ ہیں اُس صورتِ حالات کے جس کا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ اس کا حل یہ نہیں کہ ہم ان لوگوں کو ہدفِ طعن و تشنیع بنانا شروع کر دیں جن کے ذہنوں میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ اُن حالات کو ختم کیا جائے جس کی وجہ سے ایسے خیالات ذہنوں میں اُبھر رہے ہیں۔ اور یہ حالات اسی صورت میں ختم ہو سکتے ہیں کہ ملک میں کسی ایسی اتھارٹی کو تسلیم کر لیا جائے جو ایسے متنازعہ فیہ امور میں حکم قرار پائے اور اس کے پاس ان امور کے فیصلہ کے لئے ایسا معیار ہو جس کے سامنے ہر فرقے کے مسلمان سرِ تسلیم خم کریں۔ ظاہر ہے کہ اسلامی مملکت میں اس قسم کی اتھارٹی حکومت ہی کے کسی ادارہ کو حاصل ہو گی، اور حکومت ہی کی طرف سے اس کے فیصلہ کا نفاذ ہو گا۔ اب رہا معیار کا معاملہ تو جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے 'کتاب و سنت' کو اس باب میں معیار قرار دیا جاتا ہے۔ جہاں تک کتاب (یعنی قرآن مجید) کا تعلق ہے، اس کے ایک ایک لفظ کا متفق علیہ ہونا تمام دنیا کے مسلمانوں کے نزدیک مسلمہ حقیقت ہے۔ لہٰذا اس کے معیار ہونے میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اسے خود خدا نے کفر و اسلام کا معیار قرار دیا ہے جب کہا ہے کہ

"جو خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وہی لوگ کافر ہیں" (۵ : ۴۴)

لیکن سنت کی یہ کیفیت نہیں۔ سنت ہر فرقہ کی الگ الگ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب سنت کی کیفیت یہ ہے تو اس سے ایک ایسا آئین یا ضابطۂ قوانین کیسے مرتب ہو سکتا ہے جو تمام فرقوں کے نزدیک مطابق سنت، لہٰذا اسلامی قرار پا سکے۔

مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں جو آپ اسقدر سر پھٹول دیکھتے ہیں تو یہ سب 'کتاب و سنت' کو معیار تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا اصل دشواری یہ ہے اور جب تک اس کا عملی حل دریافت نہیں کیا جاتا خود ان حضرات کے معیار کے مطابق بھی ملک میں اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ معیار اسی صورت میں قابلِ عمل ہو سکتا ہے کہ مختلف فرقوں کے علما حضرات مل بیٹھ کر ایک ایسا مجموعۂ سنت مرتب کر دیں جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اور جس میں کوئی چیز قرآن مجید کے خلاف نہ ہو۔ لیکن اگر یہ حضرات ایسا نہ کر سکیں تو پھر اس کے سوا اور کون سی صورت باقی رہ سکتی ہے کہ قرآنِ کریم کو ــــ جو تمام فرقوں کے نزدیک قدرِ مشترک اور دین

میں آخری حجت اور سند ہے، معیار قرار دے دیا جائے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کا متن تو بیشک متفق علیہ ہے لیکن اسکی تشریح (INTERPRETATION) میں اختلاف ہے۔ یہ موضوع بڑا تفصیل طلب ہے اسلئے میں اسوقت اسکی تفصیل میں گئے بغیر اتنا واضح کر دینے پر اکتفا کرونگا کہ قرآن کریم میں جو قوانین اور اصول بیان ہوئے ہیں، انکا مفہوم قرآن ہی کی رُو سے متعین کیا جائے تو ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا، اور جب ہم ان قوانین و اصول کے مفہوم کے تعین کا فریضہ ایک متفق علیہ اتھارٹی کے سپرد کر دینگے تو کسی کا شخصی اختلاف باہمی مناقشت کا موجب نہیں بن سکیگا۔ اور پھر اس حقیقت کبریٰ کو بھی ذہن میں رکھیئے کہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ اس میں تم کوئی اختلاف نہیں پاؤگے۔ (۴ : ۸۲)

لیکن اگر اسکے باوجود اس پر اصرار کیا جائے کہ قرآنی قوانین و اصول کا بھی کوئی مفہوم متفق علیہ نہیں ہو سکتا تو پھر (معاف فرمایئے) ہمیں اسکا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ یہاں کوئی ایسا آئین یا ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام مسلمانوں کے نزدیک متفقہ طور پر اسلامی کہلا سکے۔ لہٰذا، اسلامی نظام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اسکے بعد سوچیئے کہ ہم اُن لوگوں کے اعتراض کا کیا جواب دے سکینگے جو یہ کہتے ہیں کہ جب آپ اسکا متفق علیہ طور پر فیصلہ نہیں کر سکتے کہ اسلامی کسے کہتے ہیں اور غیر اسلامی کسے، تو پھر اسکے سوا چارہ کیا ہے کہ مملکت کا نظام سیکولر ہو۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی پوچھیئے کہ ہم ان غیر مسلموں کو کیا جواب دے سکینگے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے جو اب زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

میں نے دس سال تک حصولِ پاکستان کی تحریک میں اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا تو اسی لئے کہ میرے نزدیک مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت کے بغیر اسلام ایک زندہ حقیقت نہیں بن سکتا اور تشکیلِ پاکستان کے بعد مسلسل اس کوشش میں ہوں کہ یہاں وہ پوزیشن نہ پیدا ہو جائے جس سے غیروں کو یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ اسلام محض ایک قصۂ پارینہ ہے اب عملی دنیا میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ میں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن کریم پر غور و فکر میں صرف کیا ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدا کی اس کتاب عظیم کو معیار تسلیم کر لیا جائے تو نہ صرف اسلامی اور غیر اسلامی کی نزاع ختم ہو جائیگی بلکہ دنیا دیکھ لیگی کہ اس (کتاب) میں اب بھی زمانے (کے ساتھ چلنے ہی کی نہیں بلکہ اس) کی امامت کی صلاحیت موجود ہے۔ قرآن کریم میں معدودے چند متعین قوانین ہیں اور زندگی کے دیگر معاملات کے متعلق اصولی راہنمائی دی گئی ہے۔ یہ اصول غیر متبدل ہیں، جن کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح قرآن کسی مقام پر بھی انسانی راہنمائی سے قاصر نہیں رہتا۔

باسمہٖ تعالیٰ

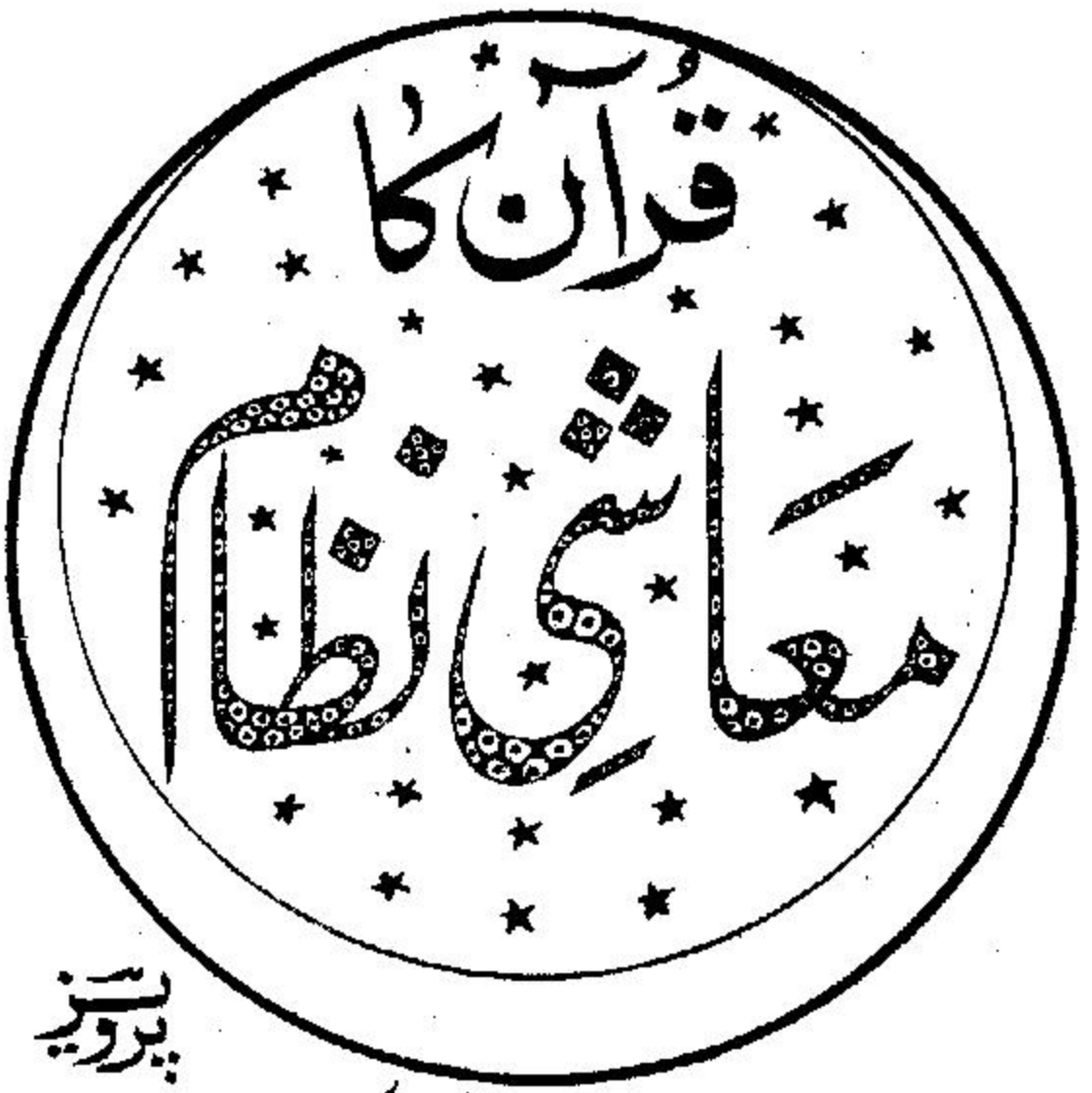

پرویز

خصوصی درسِ قرآنِ کریم

جو

۱۹ر اکتوبر ۱۹۶۹ء کی صبح ۲۵/بی گلبرگ میں دیا گیا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کا معاشی نظام

پرویز صاحب کا خصوصی درس قرآن کریم جو انہوں نے ۱۹ اکتوبر کی صبح کو دیا!

برادرانِ عزیز! سلام و رحمت۔

قرآن کریم نظری پند و نصائح کا مجموعہ یا پوجا پاٹ کے طور طریق سکھانے والی کتاب نہیں۔ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے عملی ہدایات دیتا ہے تاکہ انکے مطابق انسان ایک نظام متشکل کر کے صحیح انسانی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے۔ زندگی جن ارتقائی مراحل کو طے کر کے موجودہ سطح (یعنی پیکرِ انسانی) تک پہنچی ہے اس میں طبعی نظامِ حیات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام ضوابط اخلاق و تمدن۔ تمام پند و نصائح۔ دین کا ہر قسم کا تقاضا، عبادات و مناسک شریعت۔ فرد اور جماعت کے تمام حقوق و فرائض۔ غرضیکہ ہر قسم کی راہ نمائی صرف زندہ انسانوں کے لئے ہے۔ مردہ نہ مومن ہوتا ہے نہ کافر۔ نہ گنہگار ہوتا ہے نہ معصوم۔ وہ ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بری اور ہر نوع کے حقوق و فرائض سے مبرا ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب انسان کی زندگی کو اس قدر اہمیت حاصل ہے تو جن اسبابِ ذرائع پر اس کا دار و مدار ہے ان کی اہمیت کس قدر ہوگی؟ ان اسبابِ ذرائع کو قرآن کریم کی اصطلاح میں رزق، اور (ہمارے ہاں) عرفِ عام میں روٹی کہا جاتا ہے۔ روٹی سے متعلق مباحث کو دورِ حاضر کی علمی اصطلاح میں معاشیات اور علمِ معیشت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

روٹی کے مسئلہ کی اہمیت

قرآن کریم کی رو سے روٹی کے مسئلہ یا معاشیات کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے افتتاحیہ (یعنی سورۂ فاتحہ) میں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ

دکھا ہم کو راہ سیدھی۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔ (پیچھے)

اور سورۂ نحل میں بتایا گیا ہے کہ امن اور رزقِ فراواں انعاماتِ خداوندی میں سے ہیں (16/112)[1]۔ اور بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے (16/112)۔ اس لئے "جنتِ آدمؑ" کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اس میں نہ کسی کو بھوک اور پیاس کی احتیاج ستائیگی، نہ مکان اور لباس سے محرومی ہوگی۔ (20/118) اس میں ہر شخص کو، جہاں بھی وہ ہوگا، فراوانی سے کھانے کو مل جائے گا۔ (2/35 ؛ 7/19) اس نے سورۂ طٰہٰ میں واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ جو شخص ہمارے قوانین سے اعراض برتیگا اس کی روزی تنگ ہو جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی بھی تصریح کر دی کہ جس شخص کی یہاں روزی تنگ ہوگی وہ قیامت میں بھی اندھا اٹھایا جائے گا۔ (20/124)۔ دوسری جگہ کہہ دیا کہ جو یہاں کا اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہوگا۔ (17/72)۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ، تورات و انجیل کا اتباع کرتے تو ہم انہیں زمین و آسمان سے بکثرت کھانے کو عطا کر دیتے۔ (5/66)۔ یعنی ان پر زمین اور آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ (7/96)

دعائے ابراہیمی

رزق کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگائیے کہ حضرت ابراہیمؑ جب "دنیا میں خدا کے پہلے گھر" کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے حرمِ کعبہ میں کھڑے ہو کر خدا سے جو پہلی دعا مانگی اس میں کہا کہ "اے ہمارے نشو و نما دینے والے! تو یہاں کے رہنے والوں کو امن اور فراوانی سے سامانِ رزق عطا فرما (2/126)۔ اس دعائے ابراہیمیؑ کو سورۂ ابراہیم میں بھی دہرایا گیا ہے (14/37) اور اہلِ مکہ کو اس کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ خدا نے انہیں کس طرح ہر خطرہ سے محفوظ رکھا ہے اور کس طرح ہر طرف سے رزقِ فراواں ان کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ (106) ؛ (28/57)

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم نے روٹی کے مسئلہ کو کسقدر اہمیت دی ہے اور اسکی یہی وہ اہمیت ہے جس کے پیشِ نظر اس نے، اس کے لئے چند نظری ہدایات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک مکمل عملی نظام عطا کر دیا ہے۔ میں آج کی نشست میں، قرآن کے اسی عملی نظام کو آپ حضرات کے سامنے لانے کی کوشش کرونگا۔ لیکن اس نظام کو سمجھنے کے لئے، دو ایک بنیادی اصولوں کا سمجھ لینا ضروری ہے جنہیں نظر انداز کر دینے سے وہ الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں جن کی وجہ سے ایک ہی معاشی نظام کو ایک گروہ عین مطابق اسلام قرار دیتا ہے اور دوسرا اُسے کفر ہی نہیں بلکہ "کفرِ عظیم" ٹھہراتا ہے۔ وہ تمہیدی اصول یہ ہے کہ قرآن کریم کی

تمہیدی اصول

سب سے پہلی مخاطب قوم وہ تھی جس کے ہاں ایک ایسا معاشی نظام رائج تھا جو

---

[1] قلتِ گنجائش کی وجہ سے آیات کے صرف حوالے دیئے گئے ہیں۔ آپ انہیں قرآن کریم کے نسخہ سے خود دیکھ لیں اور ان کا مفہوم "مفہوم القرآن" سے معلوم کر لیں۔

اُس نظام کی یکسر ضد تھا جسے قرآن متشکل کرنا چاہتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک قائم شدہ نظام کی جگہ دوسرا نظام — جو اس کی یکسر ضد ہو — شب باش نہیں لایا جا سکتا، بالخصوص جب اس نئے نظام کے لئے ان لوگوں کے قلب و دماغ میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنی بھی ضروری ہو جن کے ہاتھوں اسے متشکل ہونا ہے۔ قرآن کریم نے یہ تبدیلی تئیس برس میں پیدا کی اور اس طرح اس قوم کو 'رفتہ رفتہ' 'آہستہ آہستہ' قدم بہ قدم بتدریج اُس نظام تک لے گیا جو اس کی تعلیم کا منتہیٰ تھا — فساد 'راتوں رات' برپا کیا جا سکتا ہے انقلاب اسی طرح 'بتدریج' لایا جاتا ہے۔ قرآنی نظامِ معیشت کے سمجھنے کے لئے ہمیں ان تدریجی کڑیوں کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا جن کو ملاتے ہوئے وہ آخری منزل تک پہنچا تھا۔

قرآن کریم جس مرتب شکل میں امت کو دیا گیا ہے وہ اس کے نزول کی تاریخی ترتیب نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ جو سورۃ (یا آیت) سب سے پہلے نازل ہوئی تھی وہ قرآن میں سب سے پہلے رکھی گئی ہے اور سب سے آخری سورۃ یا آیت وہ ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ اس کی ترتیب میں ایک اور انداز اختیار کیا گیا ہے۔ میں اپنے موضوع سے دور نکل جاؤنگا (اور نہ ہی اس کے لئے میرے پاس وقت ہے) ورنہ میں اپنے ذاتی مطالعہ قرآن کی بنا پر اس کی وضاحت کرتا کہ جس کتابِ عظیم کو تمام نوعِ انسان کے لئے، ہمیشہ کے لئے، ضابطۂ ہدایت بننا تھا، اس کے لئے یہی اندازِ ترتیب کس طرح انسب ہی نہیں بلکہ ضروری تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ جب قرآن کی موجودہ ترتیب، اس کی تنزیلی ترتیب نہیں تو ان کڑیوں کو کیسے مرتب کیا جائے گا جن کے مطابق، وہ اپنے نظام کو، اس کے نقطۂ آغاز سے مقامِ تکمیل تک لے گیا تھا۔

تدریجی کڑیاں

بظاہر یہ مسئلہ کچھ دقت طلب سا نظر آتا ہے لیکن یہ درحقیقت ایسا نہیں۔ اگر قرآن کریم کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ان تمام کڑیوں کو بآسانی آپس میں ملایا جا سکتا ہے جن کے اتصال سے ہم اس نظام کی پہلی کڑی سے آخری نقطہ تک 'موجِ خرامِ یار کی طرح گل کترتے' بلا دقت و بلا تردد پہنچ سکتے ہیں۔ میں نے قرآن کریم کا مطالعہ اسی انداز سے کیا ہے اور اس سے یہ راستے کتنے آسان ہو گئے ہیں اس کا اندازہ آپ ان کڑیوں سے بخوبی لگا سکیں گے جو ابھی آپ کی خدمت میں پیش کی جائینگی۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

نشانِ منزل

قرآن کریم نے سب سے پہلے اس منزل کا نشان واضح طور پر متعین کر دیا ہے جس تک وہ ہمیں

بتدریج لے جانا چاہتا ہے۔ اس نشانِ منزل کی وضاحت سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت میں ان الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (۱/۱)

خدا موجبِ حمد و ستائش اس لئے ہے کہ اس نے جملہ اشیائے کائنات کی پرورش اور نشو و نما کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ اسے ربوبیتِ عالمینی کہتے ہیں اور یہ انتظام وہ ہے جسے خدا کے سوا نہ کوئی اور کر سکتا تھا، نہ کر سکتا ہے، نہ کر سکے گا۔ (۲۰/۵۰) خارجی کائنات میں اس کا یہ نظامِ ربوبیت کس طرح کارفرما ہے، یہ سوال ہمارے موضوعِ زیرِ نظر سے خارج ہے۔ کرۂ ارض کے متعلق اس نے کہہ دیا کہ "اس میں کوئی ذی حیات (دآبہ) ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو" (۱۱/۶) اور ان میں سے انسانوں کے متعلق واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ

ان کے، اور ان کی اولاد کے رزق کے ذمہ دار ہم ہیں۔

(۶/۱۵۱)، (۱۷/۳۱) و (۲۹/۶۰)

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی بھی وضاحت کر دی کہ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم ہر انسان کو براہِ راست رزق پہنچاتے ہیں۔ بالکل نہیں (۳۶/۴۷) ہماری یہ ذمہ داری انسانوں کے ہاتھوں سے پوری ہوتی ہے۔ جو انسانی نظام، خدا کی اس ذمہ داری کو پورا کرتا ہے اسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے اور اس کے اس نظام کو قرآنی نظامِ معیشت۔ اب آپ ان کڑیوں کو دیکھئے جن کے باہمی جڑنے سے یہ نظام بتدریج اپنے مقامِ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

(۰)

منزلِ اوّل

(انفرادی زندگی)

نزولِ قرآن سے، اس نظام کی آواز اس معاشرہ میں بلند کی جاتی ہے جو نظامِ سرمایہ داری کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس میں ایک طرف ایسے متمول افراد ہیں جو اپنی دولت کے نشہ میں بدمست ہیں۔ اور دوسری طرف ایسے مفلوک الحال جو نانِ شبینہ تک سے محروم ہیں۔ اس معاشرہ میں سب سے پہلے متمول لوگوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ ان ناداروں اور محتاجوں کی روٹی کا انتظام کریں جو

خود اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے سے کسی طرح معذور ہو چکے ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے

انفرادی اپیل

ان مسکینوں اور محتاجوں کی روٹی کا انتظام نہ کیا تو یاد رکھو! تم پر جہنم کا عذاب مسلط ہو جائے گا۔ (۶۹/۳۴ ؛ ۱۰۷/۱-۳) اُخروی زندگی میں یہ عذاب کس قسم کا ہوگا' اس سے ابھی زیادہ بحث نہیں کی جاتی۔ لیکن انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر تم نے معاشرہ کا موجودہ نقشہ نہ بدلا جس میں بیشتر انسان اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی تک سے محروم رہتے ہیں تو ملک میں ایسا فساد برپا ہوگا جس میں تمہاری عزتیں خاک میں مل جائینگی۔ اُس وقت تم جو اس پاختہ ہو کر پوچھو گے کہ ایسا کیوں ہوا۔ فطرت کا اٹل قانون تمہیں بتلائے گا کہ یہ اسلئے ہوا کہ تمہارے ہاں عزت و تکریم کا معیار دولت اور جتھہ کی اکثریت تھی۔ تم میں سے جو تنہا رہ جاتا تھا تم اسے عزت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور جس کا چلتا ہوا کاروبار کسی حادثہ کی وجہ سے رک جاتا تھا تم نہ خود اسکی روٹی کا انتظام کرتے تھے، نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دلاتے تھے۔ (۸۹/۱۷-۲۰)۔ ان میں سے جو لوگ اس ہی آواز پر لبیک کہہ کر اس داعیِ انقلاب کی رفاقت کا عہد کرتے (انہیں جماعتِ مومنین کہا جاتا تھا)۔ ان سے بھی کہا جاتا کہ یاد رکھو! اس آواز کی ہمنوائی سے تم بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر پر لیتے ہو۔ تمہیں محتاجوں۔ یتیموں اور اسیروں کی روٹی کا انتظام کرنا ہوگا' اور ستائش کی تمنا اور صلہ کی امید کے بغیر ایسا کرنا ہوگا (۷۶/۸-۹) یہ ایک سخت گھاٹی ہے جس پر تمہیں چڑھنا ہوگا (۹۰/۱۱-۱۶) جو ایسا نہیں کرے گا وہ اپنے دعوے ایمان کی تکذیب کریگا (۱۰۷/۱-۲) تمہارے دعوے ایمان کی صداقت کا ثبوت یہ ہوگا کہ تم محتاجوں اور ناداروں کی

صدقات

ضروریات پوری کرنے کے لئے کیا کچھ دیتے ہو۔ (اسے قرآن کی اصطلاح میں صدقہ کہتے ہیں) اس کی ابتدا تم اپنے اعزہ و اقارب سے کرو اور پھر اس کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے' اپنے اور بیگانے کی تمیز سے بلند ہو کر' ہر ضرورت مند کی ضروریات پوری کرنے کا انتظام کرو۔ (۲/۲۱۵ ؛ ۳۰/۳۸) لیکن ایسا نہ ہو کہ جس محتاج کی کوئی ضرورت پوری کرو اس کے سر پر احسان کی من بھر کی سل رکھ دو کہ وہ بیچارہ ساری عمر اس کے بوجھ تلے دبا رہے۔ نہ ہی اسے لوگوں کو دکھا دکھا کر اپنے پندارِ نفس کی تسکین کا سامان پیدا کرو۔ اسے انسانیت کا فریضہ سمجھ کر ادا کرو۔ عقلِ فریب کار تم سے یہ کہے گی کہ ہم دوسروں پر خرچ تو کریں لیکن اس سے نہ اُن لوگوں سے اپنا احسان منوائیں اور نہ ہی معاشرہ میں پاپولر ہونے کے لئے لوگوں میں اس کا چرچا کریں' تو ہم اپنی دولت دوسروں پر خرچ کیوں کریں؟ تم اسے سمجھاؤ کہ جو کچھ اس طرح سے خرچ کیا جائے گا وہ ضائع نہیں جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کسان بیج کے دانے مٹی میں ملا دیتا ہے تو وہ ضائع نہیں جاتے

ایک ایک دانے کے عوض سینکڑوں دانے اسے واپس مل جاتے ہیں۔ ان صدقات سے ایسے معاشرہ کی بنیاد رکھی جائے گی جس میں حقوق انسانیت محفوظ ہو جائینگے اور تم اس تباہی سے بچ جاؤ گے جو انسانی ناہمواریوں کا فطری نتیجہ ہوتی ہے۔ (۲/۲۷۶ - ۲۶۱ ؛ ۱۴/۳۱)

مال و دولت میں اصلاح

قرآن کریم نے اس پہلی اسٹیج پر جہاں ایک طرف ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کی انفرادی طور پر ترغیب و تحریص دی، اس کے ساتھ ہی دوسری طرف مالی معاملات میں اصلاح کی ہدایات بھی دیں۔ اس نے کہا کہ دوسروں کا پیسہ باطل طور پر مت کھاؤ۔ (۲/۱۸۸) ؛ (۴/۲۹) اس سلسلہ میں اس کی تصریح کر دی کہ مذہبی علماء و مشائخ، لوگوں کا مال باطل طور پر کھا جاتے ہیں۔ لہٰذا انہیں کچھ نہ دو۔ وہ خود محنت کر کے کمائیں کھائیں (۹/۳۴) یتیموں کے مال کی حفاظت کرو (۴/۶ ؛ ۶/۱۵۳ ؛ ۱۷/۳۴) اگر عورت بھی کچھ کماتے تو مرد خواہ مخواہ غاصبانہ طور پر اس کے مالک نہ بن جائیں۔ عورت اپنی کمائی کی مالک ہوگی، مرد اپنی کمائی کا۔ (۴/۳۲) لین دین کے معاملات کے متعلق تاکید کی کہ انہیں ضبطِ تحریر میں لے آیا کرو۔ (۲/۲۸۳) مقروض اگر تنگدست ہو تو اسے قرض کی ادائیگی کے لئے مہلت دو۔ اور اگر اس میں ادائیگی قرضہ کی استطاعت بھی نہ ہو تو اسے قرضہ معاف کر دو۔ (۲/۲۸۰) اپنے ترکہ کے متعلق وصیت کرو۔ (۲/۱۸۰ ؛ ۵/۱۰۶) اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ متوفی وصیت نہیں کر سکا۔ یا اس کی وصیت پورے ترکہ کو محیط نہیں ہوتی، تو ترکہ کی تقسیم ان احکام کے مطابق کرو جو قرآن کریم میں دیئے گئے ہیں (۴/۷ ؛ ۴/۱۱-۱۲)۔ اور جن کی رُو سے دولت ایک جگہ مرکوز ہونے کے بجائے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ خرید و فروخت یا آجر و مستاجر (مزدور) کے تعلقات میں حسن معاملہ کے سلسلہ میں بار بار تاکید کی کہ کبھی کم نہ تولو۔ خریدار کو اس کی قیمت کے بدلے میں صحیح صحیح چیز دو۔ مزدور کی مزدوری قاعدے اور معاہدے کے مطابق ادا کرو۔ (۶/۱۵۳ ؛ ۷/۸۵ ؛ ۱۱/۸۴ ؛ ۱۷/۳۵ ؛ ۸۳/۱-۳)

زرعی اصلاح

عربوں کی معیشت (بالخصوص مکہ میں) زرعی نہیں تھی۔ اس لئے اس منزل میں زیادہ تر توجہ کاروباری معاملات کی اصلاح کی طرف مبذول کی گئی۔ زرعی اصلاح کے سلسلہ میں کہا گیا کہ جو کچھ تم اپنی محنت سے کماؤ اس میں سے بھی نادار ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دو اور زمین کی پیداوار میں سے بھی۔ (۲/۲۶۷)۔ اسے "خدا کا حق" کہہ کر پکارا گیا۔ (۶/۱۴۱) (ایسا کیوں کہا گیا، اس کی تفصیل ذرا آگے چل کر سامنے آئے گی) ــــ جس طرح صدقات کے سلسلہ میں کہا تھا کہ اگر تم نے مفلوک الحال محتاجوں کی ضروریات پوری نہ کیں تو معاشرہ میں ایسا فساد برپا

ہو جائے گا جو تمہارے موجودہ مقامات عزت و تکریم کو الٹ کر رکھ دیگا۔ اسی طرح زمین کے سلسلہ میں بھی کہا کہ اگر تم نے اس میں سے "خدا کا حق" محتاجوں کو نہ دیا تو تمہارے کھیتوں کا ہر دانۂ گندم جل کر راکھ ہو جائے گا۔ (۶۸/۱۷-۳۴)؛ (۴/۴۳-۴۴) اور تمہارے بال بچوں تک تباہ ہو کر رہ جائینگے۔ (۲/۲۶۶)

---(۰)---

منزل دوم

(اجتماعیت کیطرف اقدام)

منزلِ اول میں تمام ہدایات اور تاکیدات انفرادی تھیں۔ اس دوران میں وہ لوگ جو اس دعوتِ انقلاب کی صداقت کے قائل ہوگئے، اس داعیٔ انقلاب کے گرد جمع ہوتے چلے گئے اور اس طرح ان کا (یوں کہیئے کہ) ایک الگ معاشرہ وجود میں آنا شروع ہوگیا۔ یہ اس پروگرام کی دوسری منزل تھی۔ اس میں انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم اٹھایا گیا۔ منزلِ اول میں افراد سے کہا گیا تھا کہ وہ ناداروں

صدقات کا اجتماعی نظم و نسق

اور محتاجوں کی اپنے اپنے طور پر مدد کریں۔ (اسے "صدقات" سے تعبیر کیا گیا تھا) اب کہا کہ نہیں۔ صدقات (اپنے عطیات) کو اپنے اپنے طور پر خرچ نہ کرو بلکہ اسے اپنے نظام کے مرکز کے پاس جمع کرو۔ بلکہ اس مرکزِ نظام (یعنی نبی اکرمؐ) سے کہا گیا کہ ان کے صدقات خود وصول کرو (۹/۱۰۳) اور اس روپے کو معاشرہ کے فلاحی امور کیلئے ان مدات پر صرف کرو جن کا ذکر سورۂ توبہ کی آیت ۶۰[1] (۹/۶۰) میں آیا ہے۔ پہلے کہا گیا تھا کہ اہلِ حاجت کو قرض دیا کرو اور اس کی ادائیگی میں مقروض کی سہولت کو پیشِ نظر رکھا کرو۔ اب کہا کہ "قرض اللہ کو دیا کرو" (۵۷/۱۸ ; ۲/۲۴۵)۔ یعنی جب تمہارے نظام کی مرکزی اتھارٹی (یعنی خود نبی اکرمؐ) کسی اجتماعی ضرورت کے لئے اپیل کرے، تو جو کچھ کسی سے بن پڑے اسے دیدیا کرو۔ وہ اس قرضہ کو تمہارے حفاظتی امور میں صرف کرے گا۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد، جب تمہارا معاشرہ مضبوط ہو جائے گا اور یہ نظام پوری طرح متشکل، تو جو کچھ تم اب "اللہ کو" بطور قرض دو گے، اس کی پائی پائی تمہیں واپس مل جائے گی۔ (۲/۲۴۵) لیکن

---

[1] یہ "صدقات" کے مصارف ہیں جنہیں ہمارے ہاں (غلطی سے) "زکوٰۃ" کے مصارف سمجھ لیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

اگر تم نے اس وقت بخل سے کام لیا تو پھر تم تباہ ہو جاؤ گے۔ اس لئے تم اپنے ہاتھوں اپنی تباہی مول نہ لو۔ (۲/۱۹۵) یہ ہلاکت یا تباہی کیا ہوگی؟ یہ کہ تم مٹ جاؤ گے اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے لیگی جو تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ (۴۷/۳۸) انفرادی مفاد پرستی کے جذبات (جنہیں شیطانی وساوس کہا جاتا ہے) تمہیں ورغلاتے ہیں کہ اپنا پیسہ اپنے پاس رکھو۔ وقت پر تمہارے کام آئے گا (۲/۲۶۸)۔ لیکن تم ان کے فریب میں نہ آجانا۔ معاشرہ میں ناہمواریوں سے جو فساد رونما ہوتا ہے اس میں انفرادی ملکیتیں کچھ کام نہیں آیا کرتیں۔ ایسا سمجھنے والے کہ ہمارا ذاتی پیسہ ہمیں تباہی سے بچالیگا، اور دوسروں کو بھی اسی قسم کی پٹی پڑھانے والے، شیطانوں اور ہلاکتوں کو بلا بلا کر اپنے گھر دکھاتے ہیں۔ (۳/۱۸۰ ؛ ۴/۳۷ ؛ ۵۷/۲۴)۔ یاد رکھو! جو کچھ تم اجتماعی مفاد انسانیہ کے لئے دوگے اس سے تمہاری حفاظت ہی نہیں ہوگی بلکہ مزید نشو ونما بھی ہوتی جائے گی۔ (۹۲/۱۸) — تمہاری طبیعی نشو ونما بھی اور تمہاری ذات کی نشو ونما بھی جو درحقیقت منتہیٰ و مقصود ہے موجودہ سطح زندگی کی تمام تگ و تاز و جدوجہد کا۔—

انسانی ذات کی نشو ونما کو اصطلاح میں "قرب خداوندی" کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے انسان اپنی حد بشریت کے اندر، خدا کی صفات کی نمود ہوتی ہے۔ یہ "تقرب الی اللہ" مال و دولت جمع کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اُسے خدا کو دے دینے سے ہوتا ہے۔ (۹/۹۹) اس میں شبہ نہیں کہ زن و فرزند کی طرح مال و دولت میں

مال و دولت کے نظام میں اصلاح

بھی کشش و جاذبیت ہے (۳/۱۴)۔ لیکن اگر زن و فرزند یا مال و دولت کی جاذبیت اجتماعی مفاد انسانیت پر غالب آجائے تو یہی زن و فرزند اور مال و دولت فتنہ بن جاتے ہیں (۶۴/۱۵)۔ اس لئے تم انفرادی مفاد پرستی کے فریب میں نہ آؤ۔ اسی سے تمہیں کامیابی نصیب ہوگی (۶۴/۱۶)۔ انفرادی دولت جمع کرکے یہ نہ سمجھو کہ تم معاشرہ کے اجتماعی تعاون سے مستغنی ہوگئے ہو۔ تم خود کفیل ہو گئے ہو (SELF - SUFFICIENT) ہو گئے۔ قطعاً نہیں۔ جو ایسا سمجھتا ہے تباہ ہو جاتا ہے۔ (۹۲/۱۰ ؛ ۹۶/۶)۔

سائل و محروم کا حق

منزل اول میں ضرورت مندوں کی امداد کے لئے اپیل کی گئی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ وہ تم سے اپنے حق کے طور پر کچھ نہیں مانگتے۔ تم انہیں بطور امداد کچھ دو۔ لیکن اب کہا کہ تمہارے مال و دولت میں ضرورت مندوں کا حق ہے۔ یعنی وہ اس میں سے اپنی ضروریات کے بقدر، بطور استحقاق (AS OF RIGHT) لے سکتے ہیں۔ (۵۱/۱۹ ؛ ۷۰/۲۴-۲۵) اگر تم خود ان کے اس حق کو ادا نہ کرو گے، تو معاشرہ تم سے ان کا یہ حق دلوائے گا۔

آپ نے دیکھا کہ اس منزل میں صدقات کی حیثیت خیرات کی نہیں رہی۔ حق کی ہو گئی۔ خیرات لینے والا ذلت محسوس کرتا ہے اور دینے والے کے دل میں اس سے جذبۂ احسان ابھرتا ہے۔ لیکن جو چیز

بطور حق وصول کی جائے' اس سے نہ لینے والے کے دل میں احساسِ کمتری (INFERIORITY - COMPLEX) پیدا ہوتا ہے نہ دینے والے کے دل میں جذبۂ برتری (SUPERIORITY - COMPLEX)۔

مالِ غنیمت

عربوں کے ہاں' مالِ غنیمت بہت بڑا ذریعہ آمدنی تھا' اور ان کے معاشرہ کا رواج یہ تھا کہ جنگ میں' جو کچھ کوئی دشمن کا لوٹ لے' وہ اسی کا ہو جاتا تھا۔ قرآن کریم نے اس میں بھی اصلاح کی اور کہا کہ مالِ غنیمت' انفرادی ملکیت نہیں ہوگا۔ اسے مرکز میں جمع کرنا ہوگا۔ مرکز اس میں سے ایک حصہ' اجتماعی ضروریات کے لئے الگ کرکے' باقی مال' سپاہیوں میں تقسیم کرے گا۔ (۸/۴۱)۔ اس ایک تبدیلی سے' نہ صرف یہ کہ اس ذریعہ آمدنی کی حیثیت اجتماعی ہوگئی' بلکہ جنگ کا جذبۂ محرکہ بھی بدل گیا۔ پہلے جنگ کا جذبۂ محرکہ لوٹ کا مال حاصل کرنا تھا ــــ جو جتنا حاصل کر سکے' لے جائے ــــ اب جذبہ' حقوقِ انسانیت کی مدافعت قرار پا گیا۔ اسے قرآن کی اصطلاح میں قتال فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں جنگ۔ واضح رہے کہ جو کچھ اجتماعی مفادِ انسانیہ کے لئے کیا جائے' اُسے قرآن کی رو سے فی سبیل اللہ' (یعنی اللہ کی راہ میں) کہا جاتا ہے۔

دولت کا اکتناز

دولت اُسی صورت میں اپنا مقصد پورا کر سکتی ہے جب یہ گردش میں رہے۔ ــــ خود لفظ دولت کے معنی گردش کرنے کے ہیں ــــ لیکن انفرادی ہوسِ زرپرستی اسے گردش میں رکھنے کے بجائے' جمع کرکے روک لیتی ہے۔ اس سے معاشرہ کا اقتصادی نظام اُلٹ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بڑے تہدید آمیز انداز میں کہا کہ دولت کا اکتناز ــــ یعنی اسے جمع کرکے روک رکھنا ــــ سنگین ترین جرم ہے۔ اس سے جہنم کے شعلے بھڑکتے ہیں جن میں یہ دولت اور اس کے جمع کرنے والے' دونوں' بری طرح جھلستے اور جلتے ہیں۔ (۹/۳۴-۳۵)۔ یہ شعلے' ان کے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ (۱۰۴/۷)۔ یہ اس آگ سے لاکھ بچنا چاہیں لیکن وہ انہیں آوازیں دے دے کر بلا لیتی اور آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی طرح' ان کا سب کچھ تباہ کر دیتی ہے۔ (۷۰/۱۵-۱۸)

دولت کو گردش میں رکھنے کے سلسلہ میں' اس کی بھی وضاحت کر دی کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ اوپر کے طبقہ ہی میں گردش کرتی رہے۔ اسے پورے کے پورے معاشرہ کے رگ و پے میں اس طرح گردش کرتے رہنا چاہیئے جس طرح انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے۔ (۵۹/۷)

ربٰو قرآنی نظام کیخلاف جنگ ہے

دولت جمع کرنے کے خلاف اس قسم کی تنبیہات و تاکیدات کے بعد' اس نے ایک ایسا حکم دیا جس

سے دولت جمع کرنے کے مقصد اور جذبہ ہی کو جڑ سے کاٹ دیا۔ روپیہ مبادلۂ اشیائے ضروریہ کا ذریعہ ہے۔ اس سے ازخود کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ایک سو روپیہ کسی بکس میں رکھ دیجئے۔ اسے آپ دس برس کے بعد بھی نکالیں گے تو وہ سو کا سو ہی ہوگا۔ وہ ایک پیسہ بھی پیدا نہیں کریگا۔ اگر روپے کی حیثیت یہی ہے کہ وہ جتنی دیر جی چاہے پڑا رہے اس میں کوئی اضافہ نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ روپیہ جمع کر کے رکھ چھوڑنا حماقت ہوگا۔ لیکن اگر آپ وہی سو روپیہ کسی ضرورت مند کو سود پر دے دیں تو وہ روپیہ اپنے ساتھ کچھ اور روپے لے کر آئیگا۔ یعنی اب آپ کا روپیہ اپنے جیسے اور روپے پیدا کریگا۔ جو روپیہ محنت سے نہیں بلکہ روپے سے ازخود پیدا ہو، اسے قرآن کریم کی اصطلاح میں ربٰو کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے ربٰو کے متعلق واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ حرام ہے اور سنگین ترین جرم ـــــ ایسا جرم جسے اس نے اسلامی نظام کے مدمقابل ایک باغی نظام قرار دیا۔ اور کہہ دیا کہ ایسا نظام قائم کرنے والوں سے کہہ دو کہ اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو ہماری طرف سے اعلانِ جنگ سمجھیں۔ (۲/۲۷۵-۲۷۹)۔ دلیل کے طور پر اس نے کہا کہ ربٰو سے تمہاری انفرادی دولت میں بے شک اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس نظامِ معیشت کے نتائج و عواقب اس قدر مضرت رساں ہیں کہ انجامِ کار اس سے اجتماعی دولت میں بیحد کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک طبقہ، دوسروں کی محنت کا غاصب بن کر، قوتِ عمل سے محروم اور سعادتِ انسانیہ سے عاری ہو جاتا ہے، اور دوسرا طبقہ اپنی محنت کے ماحصل سے محروم ہو کر مفلس و نادار ہو جاتا ہے۔ اور اس سے اس کے سینے میں انسانیت کے خلاف نفرت اور انتقام کی آگ پیہم سلگتی رہتی ہے اور آخرالامر بھڑک اٹھتی ہے۔ (۳/۱۲۹)

واضح رہے کہ قرآن کریم نے اتنا ہی نہیں کہا کہ کسی ضرورت مند کو قرضہ دے کر اس سے جو زائد روپیہ لیا جائے وہی ربٰو ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ جو روپیہ تم دوسروں کے روپے کے ساتھ اس مقصد سے شامل کر دو کہ اس سے تمہیں کچھ زاید حاصل ہو جائے گا، وہ بھی ربٰو ہے۔ (۳۰/۳۹) اسے دورِ حاضر کی اصطلاح میں کمرشل انٹرسٹ کہا جاتا ہے۔ نیز اس میں مضاربت (SLEEPING PARTNERSHIP) اور مزارعت (زمین کی بٹائی یا کرایہ) وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ اس نے اصول یہ بتایا کہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ (۵۳/۳۹)۔ معاوضہ صرف محنت کا ہے سرمایہ کا نہیں۔ سرمایہ کا معاوضہ ربٰو ہے خواہ اسکی کوئی سی شکل بھی کیوں نہ ہو۔

ربٰو کو حرام قرار دے کر قرآن نے روپیہ جمع کرنے کا مقصد اور جذبہ ہی ختم کر دیا۔

زمین کے متعلق اگلا قدم

اب آگے بڑھیئے۔ انسانی معیشت میں زمین کے مسئلہ کو خواہ مخواہ پیچیدہ بنا دیا گیا ہے حالانکہ بات اس قدر واضح اور صاف ہے کہ اسے سمجھنے

کے لئے نہ کسی افلاطون کے دماغ کی ضرورت پڑتی ہے نہ ارسطو کے منطق کی حاجت۔ خدا نے اپنے آپ کو اَلْحَیُّ کہنے کے ساتھ ہی اَلْقَیُّوْمُ بھی کہا ہے یعنی زندگی عطا کرنے والا اور زندگی کو قائم رکھنے والا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے زندگی عطا کی تو زندگی کے قائم رہنے کے لئے جس قدر سامان و اسباب کی ضرورت تھی اسے بھی ساتھ ہی عطا کر دیا۔ قیامِ زندگی کے لئے روشنی، حرارت، ہوا، پانی اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نے ان تمام اشیاء کو انسان کے پیدا کرنے سے پہلے مہیا کر دیا۔ روشنی، حرارت، ہوا اور پانی تو عام طور پر سطح ارض کے اوپر موجود رہتے ہیں۔ خوراک کے متعلق اس نے کہا کہ اس کے ذخائر زمین میں جمع کر دیئے گئے ہیں انسان انہیں اپنی ضرورت کے مطابق نکال لے۔ (۱۵/۲۱) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ۔ (۱۵/۲۰) "ہم نے اس میں تمہارے لئے سامانِ معیشت رکھا ہے اور ان کے لئے بھی جن کے تم رازق نہیں ہو"۔ آپ غور کیجئے کہ "معیشت" کا لفظ قرآن نے زمین کی پیداوار کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ۔ (۲۰/۵۴)۔ دوسری جگہ اس نے اسے مَتَاعٌ لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ کہا ہے۔ (۷۹/۳۳ ؛ ۸۰/۳۲)

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے ارض اور دیگر ذرائع حیات انسان کی پیدائش سے پہلے موجود تھے۔ اب آپ سوچئے کہ دنیا کے کسی مبنی بر عدل قانون اور قاعدے کی رُو سے کوئی شخص ان ذرائع حیات (حرارت، روشنی، ہوا، پانی، زمین) میں سے کسی کا مالک قرار پا سکتا ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے مشترکہ اور یکساں وجہ قیامِ زندگی ہوں۔ آج آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے یہ قطعۂ زمین فلاں شخص سے خریدا ہے یا اپنے باپ سے ورثہ میں پایا ہے۔ آپ اس سلسلہ کو پیچھے کی طرف لوٹاتے جائیے اور اس شخص تک پہنچ جائیے جس نے پہلی مرتبہ اس قطعہ اراضی کو اپنی ملکیت کہا تھا۔ آپ اس سے پوچھئے کہ اس نے اسے کس سے خریدا یا کس سے ورثہ میں پایا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس نے دھاندلی سے اس قطعہ کو اپنی ملکیت بنا لیا تھا۔ اب جو چیز شروع میں دھاندلی سے کسی کے قبضہ میں آئی ہو اس پر اس کے بعد آنے والوں کا قبضہ کس طرح جائز قرار پا سکتا ہے؟ ذرائع حیات میں سے کسی پر کسی شخص کا مالک بن کر بیٹھ جانا اس نوعِ انسان کے خلاف جرمِ عظیم ہے جس کی زندگی کے قیام کا اسے ذریعہ بنایا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ ظلم اور دھاندلی زمانہ قدیم سے رواجاً یا قانوناً جائز چلے آ رہے تھے اس لئے قرآن کریم نے اس باطل تصور کو ذہن سے محو کرنے کے لئے بڑے محکم دلائل پیش کئے۔ اس نے خدا کو ماننے والوں سے کہا کہ تم جب آسمانوں کے اوپر خدا کے اقتدار و اختیار کو تسلیم کرتے ہو تو زمین پر اس کی الوہیت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ یاد رکھو! وہ جس طرح الاسماء ہے، اسی طرح الارض بھی ہے۔ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ۔ (۴۳/۸۴)

دوسری جگہ ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ۔ (۶/۳)۔ اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ آسمان میں اور خدا تسلیم کرنا اور ارض میں کوئی دوسرا خدا! کھلا ہوا شرک ہے۔ (۴۳/۸۴)۔ سورۃ النحل میں ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ تم دو الٰہ اختیار نہ کرو۔ الٰہ صرف ایک ہے اور وہ الٰہ وہ ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۶/۵۱-۵۲)۔ سمٰوٰت اور ارض میں جو کچھ ہے سب اس کی ملکیت ہے۔ اس لئے تم انسانوں کو زمین کے رقبوں کا مالک قرار دے کر انہیں خدا کا ہمسر نہ بناؤ۔ (۲/۲۲)۔ اس کا مالک وہی ہو سکتا ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور تمام ذی حیات کے لئے ذریعہ رزق بنایا ہے۔ (۲۹/۶۰-۶۱)۔

اس قدر واضح دلائل دینے کے بعد اس نے کہا کہ اے رسول! اب تم ان سے پوچھو کہ لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ لیکن اس کا جواب علم کی بارگاہ سے لے کر دو۔ اس کے بعد ہے کہ اگر انہوں نے علم و بصیرت سے کام لیا تو سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔ انہیں کہنا پڑے گا کہ یہ سب خدا کی ملکیت ہیں۔ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (۲۳/۸۴-۸۵)۔ ان سے کہو کہ جب تمہیں خود اس کا اعتراف ہے کہ یہ سب خدا کی ملک ہے تو پھر تم اس حقیقت کا سامنا کرنے سے کیوں گریز کرتے ہو کہ اس پر کسی انسان کی ملکیت نہیں ہو سکتی؟ اس حقیقت کو تسلیم کرو گے تو زمین کی پیداوار تمہارے لئے حلال و طیب ہو گی ورنہ تم شیطان کے نقش قدم پر چلتے جاؤ گے جس نے تمہارے کان میں پھونک دیا ہے کہ تم ذرائع رزق کے مالک بھی ہو سکتے ہو۔ (۲/۱۶۸)

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے روشنی، حرارت، ہوا، پانی اور زمین میں ایک فرق ہے پہلی سب چیزیں

معاوضہ محنت کا

اپنی استعمالی شکل میں از خود موجود ہیں لیکن خوراک کو زمین سے نکالنا پڑتا ہے جس میں محنت صرف ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر نہایت دلنشیں انداز میں واضح کر دیا کہ زمین کی پیداوار میں سے تم صرف اپنی محنت کے معاوضہ کے حقدار ہو۔ باقی خدا کا حصہ ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ تم کسی زمیندار سے بٹائی پر زمین لے کر اس میں کاشت کرتے ہو تو اس میں سے ایک حصہ خود لے لیتے ہو اور دوسرا حصہ زمیندار کو دے دیتے ہو (جسے تم زمین کا مالک سمجھتے ہو) اسی قاعدے کے مطابق زراعت میں اپنی محنت کا معاوضہ تم لے لو اور حقِ مالکانہ خدا کو دے دو۔ سورۃ الواقعہ کی آیات ۶۳ تا ۷۳ میں اس حقیقت کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ غور سے سنیئے۔ فرمایا۔

(اس مقصد کے لئے) تم ذرا اس نظام پر غور کرو جس کے مطابق تمہاری پرورش اور نشوونما ہوتی ہے اور سوچو کہ کیا یہ سب کچھ خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے یا تمہارے وضع کردہ قوانین کے مطابق۔ (مثلاً) تم جو کھیتی باڑی کرتے ہو، تو غور کرو کہ اس میں تمہارا عمل دخل کتنا ہوتا ہے اور ہماری قوت

کیا کچھ کرتا ہے۔ تم زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج ڈال دیتے ہو۔ اب بتاؤ کہ اس بیج سے فصل کون اُگاتا ہے؟ کیا یہ تم ایسا کرتے ہو یا ہمارے قانون کی رُو سے ایسا ہوتا ہے۔

اس کے بعد کہا:۔

پھر کھیتی کے اُگنے کے بعد اس کی حفاظت کون کرتا ہے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی آفت آجائے جس سے اُگی ہوئی کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے۔ اس طرح تہس نہس کہ تم سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور ایک دوسرے سے کہنے لگو کہ ہم بالکل تباہ ہو گئے۔ ہم یکسر محروم اور بے نصیب رہ گئے۔ اس کھیتی سے غلہ ملنا تو ایک طرف ہماری محنت اور بیج بھی بیکار ہی گئے۔

اس کے بعد ہے:۔

پھر تم ذرا اس پانی پر غور کرو جس پر تمہاری کھیتی ہی کا نہیں بلکہ خود تمہاری زندگی کا دار و مدار ہے۔ کیا اسے بادلوں سے تم برساتے ہو یا ہمارا قانونِ ربوبیت ایسا کرتا ہے؟ (یہ بادل سمندر کے پانی سے ترتیب پاتے ہیں جو اس قدر کھاری ہوتا ہے کہ نہ پینے کے کام آسکتا ہے نہ کھیتی باڑی کے) ذرا سوچو کہ اگر بادلوں کا پانی (بارش) ویسے کا ویسا کھاری رہتا تو تم کیا کرتے؟ حیرت ہے کہ تم اس قدر صاف اور سیدھے معاملہ پر اس نہج سے غور کر کے صحیح نتیجے تک کیوں نہیں پہنچتے اور نشو و نما کے متعلق خدا کے نظام کی قدر شناسی کیوں نہیں کرتے۔

اس کے آگے ہے:۔

اسی طرح تم اس آگ پر غور کرو جسے تم روشن کر کے اس سے اپنے کام لیتے ہو؟ کہو کہ سبز درختوں کی شاخوں میں حرارت کو یوں سمیٹ کر رکھ دینا ــــ رگ خس میں شعلے کو نہاں کر دینا ــ تمہاری کاریگری ہے یا ہمارا قانون ایسا کرتا ہے؟

ان حقائق کے بیان کرنے کے بعد کہا کہ:۔

(رزق پیدا کرنے کی اس تمام کائناتی مشینری پر غور کرو اور سوچو کہ یہ کس کے قانون کی کارفرمائی ہے۔ پھر اس پر بھی غور کرو کہ اس تمام پروگرام میں تمہارا حصہ کس قدر ہے اور نظامِ خداوندی کا کس قدر؟ تم کسی نہج سے بھی غور کرو، بہر حال اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ اس کاروبار میں تم صرف محنت کرتے ہو۔ باقی سب کچھ خدا کا نظام کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے ماحصل (سامانِ زیست) میں بھی تمہارا حصہ بقدر تمہاری محنت کے ہو سکتا ہے۔ تم پورے کے پورے مالک نہیں بن سکتے)۔ یہ تمام ذرائع پیداوار از خود موجود رہتے ہیں ــــ یہ نہ تمہارے بنائے ہوئے ہیں، نہ خریدے ہوئے

> یہ تمہیں اس حقیقت کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ انہیں خدا نے بھوکوں کے لئے سامانِ زندگی بنایا ہے۔

یعنی اس کاروبار میں محنت تمہاری کلہے اور ذرائع پیداوار ہمارے ہیں۔ لہٰذا تم اس میں سے اپنی محنت کا معاوضہ اپنے سامانِ پرورش کی صورت میں اپنے پاس رکھ لو اور ہمارا حصہ ہمیں دے دو؟ سوال پیدا ہوا کہ آپ کا حصہ آپ کو کس طرح پہنچائیں؟ جواب دیا کہ متاع للمقوین۔ یہ ان تک پہنچا دو جو اپنے لئے سامانِ پرورش حاصل کرنے قابل نہیں۔ ان تک پہنچ گیا تو یہ سمجھ لو کہ ہم تک پہنچ گیا۔ اسی حقیقت کو (۹۶/۲۱ ؛ ۶۷/۱۴ ؛ ۸۰/۳۴-۳۱/۲) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی ان تصریحات کی روشنی میں اسلامی نظام نے عملی قدم اٹھایا۔ اور جو لوگ بے حد و نہایت "زمین کے رقبوں کے مالک بنے بیٹھے تھے، ان کی ملکیت کی تحدید (حد بندی) کرنی شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے معیار یہی ہوگا کہ ایک شخص کے پاس اسی قدر رقبہ اراضی رہے جس کی پیداوار اس کی اور اس کے اہل و عیال کی پرورش کے لئے کافی ہو۔ اس طرح اس نے زمین پر ذاتی ملکیت ختم کرنے کے عملی

رقبوں کی تحدید

پروگرام کی ابتدا کر دی۔ سورۃ الرعد میں ہے کہ داعی انقلاب حضور نبی اکرمؐ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس انقلاب کیلئے میں نے اپنی تمام عمر صرف کر دی ہے کیا اس کی تکمیل میری زندگی میں ہو جائے گی یا نہیں؟ اس کے جواب میں کہا کہ تم اس کی فکر نہ کرو کہ اس کی تکمیل تمہاری موجودگی میں ہوگی یا تمہاری وفات کے بعد۔ تم اس پیغام کو عام کرتے جاؤ۔ یہ مکمل ہو کر رہیگا۔ خواہ تمہاری زندگی میں اور خواہ اس کے بعد۔ تم دیکھتے نہیں کہ

> ہم کس طرح زمین کے رقبوں کو ان بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھوں سے سکیڑتے اور سمیٹتے (کم کرتے) چلے جا رہے ہیں۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے (کہ ان پر ان کی ملکیت ختم ہو گی) اور دنیا کی کوئی طاقت ہمارے فیصلے کو لوٹا نہیں سکتی۔ ہم بہت جلد حساب کرنے والے ہیں۔ (۱۳/۴۱)

سورۃ الانبیاء میں کہا ہے کہ انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو زمین متاعِ حیات حاصل کرنے کے لئے ملی تھی۔ اس پر زمانہ گذر گیا تو انہوں نے اس پر قبضہ مخالفانہ جما لیا۔ اب ہم آہستہ آہستہ اسے ان کے ہاتھوں سے نکال رہے ہیں۔ ہمارے اس پروگرام کی تکمیل ہو کر رہے گی۔ یہ ہمیں مغلوب نہیں کر سکیں گے۔ (۲۱/۴۴)

یوں اس دوسری منزل میں اس نظام کے عملاً قیام کی ابتدا کر دی۔

تیسری منزل

(تکمیلِ کار)

اب ہم اس پروگرام کی تیسری (اور آخری) منزل میں پہنچ رہے ہیں۔ اب اسلامی مملکت وجود میں آگئی ہے اور خدا نے ربوبیت عالمین (یعنی تمام افراد کو سامانِ نشوونما دینے) کا جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کی ذمہ داری اس مملکت نے اپنے سر پر لے لی ہے۔ یہی اس مملکت کے وجود کی وجہ جواز تھی۔ سورۃ الحج میں ہے۔

اسلامی مملکت کی وجہ جواز

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ ..... (۲۲/۴۱)

یہ (مومنین) وہ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا فریضہ ادا کریں گے۔

یہ آیۂ جلیلہ اسلامی مملکت کی وجہ جواز اور اسکی ذمہ داری کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کرتی ہے۔ کہا یہ گیا ہے کہ اسلامی مملکت کا فریضہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ میں اس وقت "اقامتِ صلوٰۃ" کی تشریح میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ وہ ایک جداگانہ موضوع ہے۔ اپنے آپ کو ایتائے زکوٰۃ تک محدود رکھنا چاہتا ہوں کہ یہی ہمارا موضوع زیرِ نظر ہے۔ ایتائے زکوٰۃ کے معنی ہیں "زکوٰۃ دینا"۔ یعنی قرآن نے کہا یہ ہے کہ اسلامی مملکت کا فریضہ یا ذمہ داری "زکوٰۃ دینا" ہے۔ یہ نکتہ بڑا توجہ طلب ہے۔ ہمارے ہاں زکوٰۃ سے مراد لی جاتی ہے وہ رقم جو ایک مالدار ایک خاص شرح کے مطابق اپنی دولت سے نکالتا ہے اور حکومت کا فریضہ یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ اس رقم کو وصول کرکے اسے متعین مصارف کے مطابق خرچ کرتی ہے۔ یعنی ہمارے مروجہ مفہوم کی رُو سے حکومت کا فریضہ لوگوں سے زکوٰۃ لینا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت میں کہا یہ گیا ہے کہ اسلامی حکومت کا فریضہ "زکوٰۃ دینا" ہے۔ زکوٰۃ کا یہ مفہوم کہ وہ ایک متعینہ رقم ہے جسے مالدار (صاحبِ نصاب) اپنی دولت سے نکالتا ہے قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ نہ ہی اس میں "زکوٰۃ کے مصارف" کا کوئی ذکر ہے۔ (جنہیں مصارفِ زکوٰۃ کہا جاتا ہے وہ صدقات کے مصارف ہیں نہ کہ زکوٰۃ کے۔ دیکھئے ۹)۔ زکوٰۃ کے معنی ہیں "نشوونما"۔ لہٰذا "ایتائے زکوٰۃ" کے معنی ہوئے سامانِ نشوونما عطا کرنا۔ اس سے بات صاف ہوگئی۔ قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ اسلامی حکومت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ نوعِ انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچائے اور اس طرح ربوبیت عالمین اور رزاقیت کی وہ ذمہ داری جسے خدا نے اپنے اوپر لیا تھا پوری کرے۔ مملکت اپنی اس عظیم ذمہ داری کو کس طرح پورا کریگی، اسکی تفصیل قرآن کریم میں بڑی شرح و بسط سے دی گئی ہے۔ اسی کا نام "قرآن کا معاشی نظام"

جو ہمارے درس کا موضوع ہے۔

خدا سے معاہدہ

اس ضمن میں سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ جو شخص اسلامی سوسائٹی کا ممبر بنتا ہے (یعنی مسلمان ہوتا ہے) اسے ایک معاہدہ پر دستخط کرنے ہوتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔ (۹/۱۱۱)

یعنی اس سوسائٹی کا ممبر بننے والا اپنا مال اور اپنی جان خدا کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے اور اس کے بدلے میں خدا اسے جنت عطا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ معاملہ یہ معاملہ (TRANSACTION) اسلامی مملکت کے ساتھ ہوتا ہے (۹/۱۱۱) اس طرح ایک عبد مومن کا جان و مال انفرادی ملکیت کے بجائے اسلامی نظام کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ اس کے عوض اُسے اِس دنیا میں بھی جنتی زندگی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی جنت جس کا وعدہ خدا نے بے شمار مقامات پر کر رکھا ہے۔ لہٰذا اسلامی نظام میں مال پر انفرادی ملکیت کسی فرد کی نہیں رہتی۔ وہ "خدا کا مال" ہو جاتا ہے۔ (۲۴/۳۳)

اختلاف صلاحیت

قرآن اسے تسلیم کرتا ہے کہ مختلف افراد میں اکتساب رزق کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مختلف بھی اور کم و بیش بھی۔ میں اس وقت اس موضوع کی طرف نہیں جانا چاہتا کہ صلاحیتوں کا یہ فرق کیسے پیدا ہوتا ہے اور اس فرق کو کس طرح کم کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت میں اس امرِ واقعہ کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مختلف افراد کی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے، اس باب میں قرآنی نقطۂ نگاہ کو پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ قرآن کہتا ہے کہ صلاحیتوں کے اختلاف سے معاشرہ کے مختلف کام بآسانی سرانجام پاتے رہتے ہیں (۴۳/۳۲)۔ لیکن (وہ کہتا ہے کہ) اس اختلاف کو صرف اسی حد تک رکھو۔ اس سے معاشی ناہمواریاں نہ پیدا کرو۔ چنانچہ اس نے سورۃ النحل میں واضح الفاظ میں کہا کہ "اکتساب رزق کے سلسلہ میں مختلف افراد میں صلاحیتوں کا فرق ہوتا ہے لیکن اس اختلاف کا مطلب یہ نہیں کہ جو لوگ زیادہ کمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اپنی کمائی کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اسے دبا کر بیٹھ جائیں۔ انہیں چاہیئے کہ اس فاضل کمائی کو اپنے ان ماتحتوں کی طرف لوٹا دیں جن کے تعاون و اشتراک سے کمائی میں اتنا اضافہ ہوا ہے۔ لوگ یہ کہہ کر ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ واہ! اس سے تو اعلیٰ و ادنیٰ سب برابر ہو جائینگے؟ ایسا کہنے والے اس فریب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ انہیں جو زیادہ صلاحیت حاصل ہے وہ ان کی ذاتی پیدا کردہ ہے۔ یہ غلط ہے۔ بنیادی طور پر یہ صلاحیت انکی اپنی پیدا کردہ نہیں، خدا کی عطا کردہ نعمت ہے جو انہیں بلا مزد و معاوضہ ملی تھی۔ (۱۶/۷۱ ؛ ۴۳/۳۲) اس نے کہا ہے کہ

قارونیت

قارون (جسے قرآن نظامِ سرمایہ داری کے نمائندہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے) بھی اسی فریب میں مبتلا تھا جب اس نے کہا تھا کہ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۔ (۲۸/۷۸)

میرا مال و دولت میری اپنی ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ میں اسے دوسروں کو کیوں دیدوں؟ قرآن کہتا ہے کہ یہی ذہنیت سارے فتنہ کی جڑ اور دنیا میں فساد برپا کرنے کی موجب ہے۔ (۳۹/۴۹) دوسرے مقام پر وہ کہتا ہے کہ اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے سے جب کہا جاتا ہے کہ کیا تمہیں اس کا احساس اور خیال نہیں کہ تم نے ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے جہاں اس کی عطا کردہ نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا (۱۰۲/۸) تو (ہر چند اسے اس قسم کی بازپرس پر یقین نہیں ہوتا لیکن وہ خود تسلی یا فریب دہی کے لئے) یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اس مال و دولت میں سے جو دو چار پیسے خیر خیرات کے طور پر "خدا واسطے" دے دیتا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ اس کے عوض مجھے اُس دنیا میں بھی اسی طرح خوشگواریاں حاصل ہو جائیں گی جس طرح اِس دنیا میں حاصل ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسا سمجھنا کفر ہے اور اس کا نتیجہ سخت عذاب۔ (۴۱/۵۰)

قُلِ الْعَفْوَ

یہ سب کچھ واضح کر دینے کے بعد قرآن کریم نے وہ فیصلہ سنا دیا جس سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے اور قطعی طور پر طے ہو گیا۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۔ اے رسول! یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ انہیں حتمی طور پر بتا دیا جائے کہ ان کی کمائی میں ان کا اپنا حق کس قدر ہے اور دوسروں کا کس قدر۔ کہا گیا کہ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹)۔ ان سے کہہ دو کہ اس میں تمہارا حق صرف اتنا ہے جس سے تمہاری ضروریات پوری ہو جائیں۔ باقی سب کا سب دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایسا موقعہ آ جائے کہ دوسرے کی ضرورت، تمہاری ضرورت سے زیادہ شدید ہے، تو تم اپنی ضرورت پر اس کی ضرورت کو ترجیح دو۔ (۵۹/۹)

اس (قل العفو کے) فیصلہ نے اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے طے کر کے رکھ دیا۔ اس سے کسی کے پاس فاضلہ دولت (SURPLUS MONEY) نہ رہی۔ اور جب کسی کے پاس فاضلہ دولت نہ رہی تو معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی تمام خرابیوں اور تباہیوں کا خاتمہ ہو گیا ــــ قرض خواہ اور مقروض۔ مالک مکان اور کرایہ دار۔ زمیندار اور کاشتکار۔ کارخانہ دار اور مزدور۔ غریب اور امیر کا تفاوت ختم ہو گیا ــــ اور یوں

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمودؔ و ایازؔ
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

زمین کا مسئلہ

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا تھا کہ زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تمام افراد انسانیہ (بلکہ تمام ذی حیات)

کے لئے سامانِ زیست حاصل کرنے کا ذریعہ ہے (۴۱/۱۰) اسلئے ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ یہ ذریعہ رزق، تمام ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے یکساں طور پر کھلا رہے ــــ سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ (۴۱/۱۰)۔ یہ تمام نوعِ انسان کے لئے، خدا کی طرف سے عطیہ ہے وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (۱۷/۲۰) اور جو چیز تمام انسانوں کو بطور عطیہ ملی ہو کسی کو اس کا حق حاصل نہیں کہ اس پر چھاپک لگا کر "میری اور تیری" کی حدبندیاں قائم کرنے لگ جائے۔ جو لوگ رزق کے ان چشموں کو جنہیں آبِ رواں کی طرح بہتے رہنا چاہیئے تاکہ ہر ضرورت مند اپنی ضروریات بلا روک ٹوک پوری کر سکے، اپنے لئے روک لیتے ہیں، وہ دیندار ہونے کے مدعی ہونے کے باوجود عملاً دین کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کی نمازیں لوٹا کر ان کے منہ پر مار دیجاتی ہیں ــــ غور کیجئے کہ قرآن نے اس حقیقت کو کس قدر فکر انگیز انداز میں بیان کیا ہے جب کہا ہے کہ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔ کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا ہے جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیکر نکال دیتا ہے اور مسکین کی روٹی کا نہ خود انتظام کرتا ہے نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ میں جو نماز پڑھ لیتا ہوں تو اس سے دین کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ یہ اسکی فریب خوردگی ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ ایسے نمازیوں کے لئے انجام کار تباہی ہے جو صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر اور اسکی غرض و غایت سے غافل رہتے ہیں۔ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ وہ سمجھتے یہ ہیں کہ نماز کے محسوس و مرئی ارکان کی ادائیگی کا نام صلوٰۃ ہے۔ وہ انہیں ادا کر لیتے ہیں۔ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔ (۱۰۷/۷) اور رزق کے آبِ رواں کو روک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر یہ تکذیبِ دین نہیں تو اور کیا ہے؟

ارضِ اللہ

زمین کی اس پوزیشن کو قرآن کریم نے، قومِ ثمود کی تاریخی شہادت کی روشنی میں اس طرح واضح کر دیا کہ اس کے سمجھنے میں کسی قسم کا الجھاؤ نہ رہا۔ اس نے کہا کہ قومِ ثمود کی معیشت کا مدار گلہ بانی (مویشی پالنے) پر تھا۔ ان کے گرد و نواح کھلی چراگاہیں اور پانی کے چشمے تھے لیکن قوم کے سرداروں نے ان پر اپنا ذاتی قبضہ جما رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کمزوروں کے مویشی بھوکے اور پیاسے رہ جاتے تھے۔ ان کی طرف حضرت صالحؑ پیامبرِ انقلاب بن کر آئے۔ انہوں نے سرزارانِ قوم کے اس غصب و نہب کیخلاف آواز بلند کی۔ ان سرداروں نے ان سے پوچھا کہ آپ بالآخر چاہتے کیا ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً۔ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ اَرْضِ اللّٰهِ۔ (۷/۷۳) یہ زمین خدا کی ہے ــــ نہ تمہاری ہے نہ میری ــــ اور یہ مویشی بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اسلئے ان مویشیوں کو آزادی ہونی چاہیئے کہ یہ اپنے خدا کی زمین سے چرب چگیں۔ تمہیں اس کا حق کیسے پہنچتا ہے کہ تم ارضِ اللہ (خدا کی زمین)

پر اس طرح حد بندیاں قائم کر دو کہ اُس کی مخلوق اُس کی زمین میں تمہاری عاید کردہ حدود سے آگے نہ جا سکے۔ (۱۱/۶۴، ۲۶/۱۵۶) انہوں نے کہا کہ اس کا عملی طریق کیا ہونا چاہیئے۔ حضرت صالحؑ نے کہا کہ یہ بڑی آسان بات ہے۔ لَهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ (۲۶/۱۵۵ ؛ ۹۱/۱۳)۔ تم جانوروں کی باریاں مقرر کر دو۔ ہر جانور، بلا تخصیص اس کے کہ وہ کس کا جانور ہے' اپنی اپنی باری پر پانی پی لے۔ "باریاں مقرر کرنے" کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں۔ اس سے فائدہ اٹھانے میں ہر ایک کا اشتراک ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ ارض اللہ کے معنی کیا ہیں؟ یہ کوئی ذہنی تصور یا نظری عقیدہ نہیں۔ یہ قرآن کے معاشی نظام کی عملی بنیاد ہے کہ زمین تمام نوعِ انسان کے لئے ذریعۂ پرورش ہے۔ اس پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ ارض اللہ پر نظری عقیدہ رکھنا، اور عملاً اسے زید، بکر، عمر کی ملکیت میں دیدینا، قرآن کی رو سے شرک ہے۔ کفر ہے۔ تکذیبِ دین ہے۔ اقبال کے الفاظ میں۔

باطنِ الارض للہ ظاہر است ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند، کافر است

(۰)

یہ ہے' برادرانِ عزیز! میری بصیرت کے مطابق' وہ معاشی نظام جسے قرآن کریم' نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے متعین کرتا ہے۔ آپ اس کا نام کچھ رکھ لیجئے' میں اسے خدا کی صفتِ ربّ العالمینی کی جہت سے' نظامِ ربوبیت کہہ کر پکارا کرتا ہوں۔

اس نظام کی مخالفت

یہی نظام' حضرات انبیاء کرامؑ نے' اپنے اپنے وقت میں' اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کیا لیکن مترفین کی طرف سے اسکی سخت مخالفت ہوئی ۔۔۔ مترفین کے معنی' ہمارے دور کی اصطلاح میں' سرمایہ دار طبقہ (CAPITALISTS) ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ۔۔۔ وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۔ (۳۴/۳۴)۔ ہم نے کسی قوم کی طرف کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا کہ اس نے یہ انقلابی پروگرام پیش کیا ہو اور وہاں کے سرمایہ دار طبقہ نے اس کی مخالفت نہ کی ہو۔ اس آیۂ جلیلہ سے دو باتیں واضح ہیں۔ یعنی۔

(۱) حضرات انبیاء کرامؑ کی طرف سے جو نظام پیش کیا جاتا تھا' وہ نظامِ سرمایہ داری کی ضد تھا' اسی لئے سرمایہ دار طبقہ اسکی اس قدر مخالفت کرتا تھا۔ اور

نے سرزمینِ مدین میں اسی قسم کا واقعہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ پیش آیا تھا جہاں صاحبِ اقتدار سرداروں کے چرواہے' کمزور و ناتواں لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی نہیں پینے دیتے تھے۔ (۲۸/۲۳)

(۲) نظامِ سرمایہ داری اور نظامِ خداوندی کی کشمکش، کچھ ہمارے دور کی خصوصیت نہیں جو یونہی ہنگامی طور پر پیدا ہو گئی ہے۔ ایسا شروع سے ہوتا چلا آرہا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر کوئی جماعت اس نظامِ خداوندی کو لے کر کھڑی ہو جائے، اور اپنی تگ و تاز میں استقامت سے کام لے، تو یہ نظام کامیاب ہو کر رہتا ہے خواہ سرمایہ دار قوتیں اس کی مخالفت میں کتنا ہی روپیہ کیوں نہ صرف کر دیں۔ سورۂ انفال میں ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اس نظام کی مخالفت کرنیوالے لوگ بے دریغ روپیہ خرچ کرینگے کہ عوام کو خدا کی راہ کیطرف آنے سے روکیں۔ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا۔ وہ اپنی ان مذموم کوششوں کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہاتے چلے جائینگے۔ ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً۔ لیکن ان کا یہ روپیہ کسی کام نہیں آئے گا۔ انہیں افسوس ہوگا کہ ہم نے خواہ مخواہ اتنا روپیہ ضائع کیا۔ ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ۔ (۸/۳۶) اسلئے کہ آخرالامر انہیں شکست ہو گی۔ مذہبی پیشوا۔ احبار و رہبان۔ علماء و مشائخ۔ اس پیسے کو، جو خدا کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہو جانے کے لئے صرف کیا جائیگا، خوب مزے لے لیکر کھائینگے۔ لیکن اس کا کوئی تعمیری نتیجہ مرتب نہیں ہوگا۔ (۹/۳۴) یہ مطففین۔ جو اپنے واجبات تو پورے پورے وصول کر لیتے ہیں لیکن دوسروں کے حقوق کبھی ادا نہیں کرتے، خدا کے راستے سے، پرکاہ کی طرح ہٹا دیئے جائینگے۔ (۸۳/۱-۳) یہ اُس وقت ہوگا۔ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (۸۳/۶) جب عام انسانیت ربوبیت عالمینی کے قیام کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی۔ اُس وقت فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اس قوم کی جڑ کٹ جائیگی جو سلب و نہب سے دوسروں کی محنت کی کمائی ہضم کر جاتی تھی۔

یہ آیت کا آدھا ٹکڑا ہے۔ اس کے دوسرے ٹکڑے کو سامنے لانے سے پہلے میں اس عظیم حقیقت کو دہرا دوں کہ (جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا) قرآن کریم نے اپنی دعوت کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کیا تھا۔ یعنی خدا اپنی ربوبیت عالمینی کی وجہ سے مستحق حمد و ستائش ہے۔ لیکن انسانی دنیا میں اسکی یہ ربوبیت، براہ راست قائم نہیں ہوتی۔ یہ انسانوں کے ہاتھوں سے قائم ہوتی ہے اور یہ قائم نہیں ہو سکتی جب تک ان ظالموں کی جڑ نہ کٹ جائے جو اسکی راہ میں سنگِ گراں بن کر حائل رہتے ہیں۔ لہٰذا، ظالم قوم کی جڑ کٹے بغیر، نہ ربوبیت عالمینی وجود میں آسکتی ہے اور نہ ہی نوعِ انسان کی زبان پر بے ساختہ الحمد للہ رب العالمین آسکتا ہے۔ اب پوری آیت کو دیکھئے۔ فرمایا کہ

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (۶/۴۵)

اور یہی اس جماعت کی دعوت کا منتہیٰ تھا جو اس انقلاب کی داعی بن کر اٹھی تھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (۱۰/۱۰)

(۱)

وحی کی راہ نمائی

لیکن یہ نظام، وحی خداوندی کی راہ نمائی کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ بات میں محض عقیدۃً نہیں کہہ رہا، حقیقۃً کہہ رہا ہوں، اور یہ غور سے سننے کے قابل ہے۔ انسانی جسم کی طرح، انسانی زندگی کے مسائل ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح گتھے ہوئے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا، انسانی زندگی کے مسائل اسی صورت میں سلجھ سکتے ہیں کہ انسان کو تماماً (AS - A WHOLE) سامنے رکھا جائے۔ وحی خداوندی نے، انسان کو تماماً سامنے رکھ کر ایسی مستقل جامع اقدار دی ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے، انفرادی اور اجتماعی زندگی نکھرتی اور سنورتی چلی جاتی ہے۔ یوں کہیے کہ وحی خداوندی ایک مکمل فارمولا دیتی ہے جسے اگر بتمامہ عمل میں لایا جائے تو متعینہ نتیجہ مرتب ہو گا۔ اس کے بعض اجزاء (بلکہ کوئی ایک جزو بھی) چھوڑ دیا جائے تو مطلوبہ نتیجہ مرتب نہیں ہو گا۔ یہی صورت انسان کے معاشی مسئلہ کی ہے۔ اسے اگر اسکی زندگی کے دیگر مسائل سے الگ رکھ کر حل کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے اور الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔ آپ سوچئے کہ اگر قرآن کے اس معاشی نظام کو جس کا خاکہ میں نے آپکے سامنے پیش کیا ہے، اور جس کی رُو سے، ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ اپنے سر لے لیتا ہے، کسی ایسی سوسائٹی میں رائج کر دیا جائے جس کے افراد کام چور اور سست الوجود ہوں تو اس کا کیا نتیجہ ہو گا۔ یا اگر رزق کی فراوانیاں ایسی قوم کے ہاں آ جائیں جو عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی ہو، تو سازوسامانِ زندگی کی یہی افراط ان کے ہاں کس قدر تباہی لے آئیگی؛ قرآن کی شہادت کے مطابق "کتنی ایسی بستیاں تباہ ہو گئیں جن میں رزق کی بڑی فراوانی تھی — یہ ہیں اُن کے اُجڑے ہوئے کاشانے جن میں ان کے بعد کوئی آباد نہ ہوا" (۲۸/۵۸)۔ لہٰذا، کوئی فلسفۂ زندگی، کوئی نظامِ حیات، جو انسان کو ایک طبیعی مشین تصور کر کے، صرف اسکی روٹی کا مسئلہ حل کرنے کی فکر کرتا ہے، کاروانِ انسانیت کو کبھی اسکی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ قرآن، انسانی زندگی کے لئے مکمل ضابطہ معیانت ہے جس کا ایک گوشہ یا پرتَو، اس کا معاشی نظام ہے۔ اس کے اس کلی نظامِ حیات کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ انسانی زندگی، اس کے جسم کی طبیعی مشینری کا نام نہیں۔ جسم کے علاوہ، اس میں ایک اور شے بھی ہے جسے اسکی ذات

انسانی ذات

یا نفس (HUMAN PERSONALITY) کہتے ہیں۔ اگر زندگی کی موجودہ سطح پر اس کی ذات کی مناسب نشوونما ہو جائے، تو وہ مرنے کے بعد، زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسکی ذات کی نشوونما، وحی کی رُو سے عطا شدہ مستقل اقدار

کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک مستقل قدر یہ ہے کہ جس قدر کوئی شخص دوسروں کی پرورش اور نشوونما کے لئے دے گا، اسی قدر اسکی ذات کی نشوونما ہوتی جائے گی۔ اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ قرآن کا معاشی نظام قائم ہی ان لوگوں کے ہاتھوں ہو سکتا ہے جو وحی کی عطا کردہ مستقل اقدار اور مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان رکھتے ہوں۔ (اسے ایمان بالآخرت کہا جاتا ہے)

ایمان بالآخرۃ

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کہا ہے کہ ایتائے زکوٰۃ (یعنی دوسروں کو سامانِ نشوونما مہیا کرنے کا التزام) وہی کر سکینگے جو آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔ (۲۷/۳ ؛ ۳۱/۴) اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ (۴۱/۷) آخرت کا منکر ایتائے زکوٰۃ کر ہی نہیں سکتا۔ بات بالکل واضح ہے۔ جو شخص سمجھتا ہے کہ زندگی بس یہی طبیعی زندگی ہے۔ اسے خوشحالی سے گزار لینے والا کامیاب ہے، اس کے لئے وہ جذبہ محرکہ کیا ہے جس کی رُو سے وہ جان مار کر محنت کرے، اپنے لئے کم از کم رکھے اور باقی سب دوسروں کی ضروریات کے لئے دیدے۔ اگر آپ کسی ہنگامی تحریک سے اس کے دل میں اس قسم کا جذبہ پیدا بھی کر دیں تو وہ ــــ اگر ماند شبے ماند، شب دیگر نہ ماند۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ شعلۂ مستعجل افسردہ ہو جائے گا۔ اور رفتہ رفتہ سرمایہ داری پھر اس کا شعار بن جائے گی۔ سرمایہ پرست، آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن اس نظام کے نمائندہ ــــ قارون ــــ سے کہتا ہے کہ وہ اس انسانیت کش نظامِ باطل کو چھوڑ دے، تو اسکی جگہ جس نظام کو تجویز کرتا ہے اسکی خصوصیت یہ بتاتا ہے وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا۔ (۲۸/۷۷) اس مال و دولت میں سے، اس دنیا کی زندگی کے لئے حصہ لے اور آخرت کا گھر بھی سنوار۔ اور یہی آرزو اس جماعت کے دل میں بھی مچلتی ہے جو قرآن کے معاشی نظام کی پیامبر بن کر اٹھتی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً۔ (۲/۲۰۱)۔ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہمیں اس دنیا کی خوشگواریاں بھی عطا کر دے اور آخرت کی خوشگواریاں بھی۔ اور یہ چیز وحی کے عطا کردہ نظامِ حیات کی رُو سے حاصل ہو سکتی ہے جس کا ایک پرتو قرآن کا معاشی نظام ہے۔

(۰)

عزیزانِ من! میں نے اپنی بصیرت کے مطابق، قرآن کے معاشی نظام کی وہ کڑیاں آپ کے سامنے پیش کر دیں جن سے وہ اسے تدریجاً اسکے نقطۂ آغاز سے مقامِ تکمیل تک لیجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کا قیام اسلامی مملکت ہی میں ممکن ہے۔ اسلامی مملکت جب اور جہاں بھی قائم ہو، اسے معاشرہ کی اُس وقت کی حالت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ اس نظام کی کون سی کڑی سے ابتدا کرے تاکہ اس کا قیام

ممکن العمل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جذبات پرست' ابتداء ہی سے اسکی آخری منزل اختیار کرنے پر زور دینگے۔ اور یوں یہ حقیقت شاعری بن کر رہ جائیگی۔ دوسری طرف' وہ جس کی نگاہ قرآن کے کلی نظامِ حیات پر نہیں ہوگی' وہ اسے سرے سے ممکن العمل ہی نہیں سمجھے گا اور اسے (بزعم خویش) "فطرتِ انسانی" کے خلاف قرار دیگا۔ (جیسا کہ آجکل' نظامِ سرمایہ داری کے نقاب پوش حامی عام طور پر کہہ دیتے ہیں)۔ لہٰذا' اس نظام کے علمبرداروں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنا نصب العین تو اسکی آخری منزل قرار دیں لیکن اس تک پہنچنے کے لئے عملی قدم بتدریج اٹھائیں۔ اسی طریق سے' قرآن کا معاشی نظام عہدِ اول میں قائم ہوا تھا اور اسی طریق سے یہ اب قائم ہو سکتا ہے۔ اس میں البتہ ایک فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ جب حضور نبی اکرمؐ نے اس انقلاب کی آواز بلند کی تھی تو آپ اکیلے مسلمان تھے۔ باقی سب غیر مسلم تھے۔ لیکن اب اسلامی مملکت کے باشندے مسلمان ہونگے اسلئے ان سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن کا نظام ہے اور قرآن پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اس لئے تمہیں اس کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اس جہت سے ہمارا مرحلہ نسبتاً آسان ہوگا ــــ لیکن شاید اسی جہت سے ہمارا مرحلہ زیادہ مشکل بھی ہو کہ سرمایہ دار تو تمہیں ہمیں میں سے مفاد پرست طبقہ کو آگے بڑھائیں گی جو "اسلام خطرہ میں ہے" کی گھنٹیاں بجاتے ہوئے عوام کے جذبات کو مشتعل کریگا۔ اس مقصد کیلئے مذہبی پیشوائیت شروع سے' سرمایہ داروں کی آلۂ کار بنتی چلی آئی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ فرعون نے صاحب ضرب کلیمؑ کے مقابلہ کے لئے ہامان کو آگے بڑھایا تھا جو اس قوم کا سب سے بڑا پجاری تھا اور حضور نبی اکرمؐ کی سب سے شدید مخالفت ابولہب نے کی تھی جو کعبہ کا متولی تھا۔ اور جس کے کیریکٹر کا یہ عالم تھا کہ وہ کعبہ سے سونے کا ہرن چرا کر لے گیا تھا۔ اور ایک ابولہب ہی پر کیا موقوف ہے۔ ایسا ہر پجاری کرتا ہے۔ لہٰذا' ان رہزنوں سے محتاط رہنے کی بڑی ضرورت ہوگی۔ والسلام!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

سوال

اس خطاب کے بعد سوال یہ سامنے لایا گیا کہ قرآن کے معاشی نظام کو عملاً متشکل اور نافذ کرنے کے لئے طریق کار (METHODOLOGY) کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں پرویز صاحب نے کہا۔

جو جماعت کسی مستقل قدر یا غیر متبدل اصول کی پابند نہیں ہوتی، وہ اپنے نظام کو نافذ کرنے کے لئے جو طریق بھی چاہے اختیار کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک طریق کار کے جائز یا ناجائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو طریق بھی حصولِ مقصد کے لئے ممد و معاون ہو، وہ ان کے ہاں جائز قرار پاتا ہے۔ ان کے نزدیک طریق کار کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار یہ ہوتا ہے کہ (MEANS ARE JUSTIFIED - BY THE ENDS ACHIEVED) - دورِ حاضر میں اس کا زندہ ثبوت مارکسزم اور لینن ازم ہے جن کے نزدیک لوٹ مار۔ توڑ پھوڑ۔ قتل و غارت گری، دنگا فساد۔ اور اس کے ساتھ جھوٹ۔ فریب۔ مکاری۔ عیاری۔ سازش وغیرہ نہ صرف جائز بلکہ نہایت مستحسن طریق کار ہیں۔ مارکسزم کا یہ فلسفہ اس حد تک اثر انگیز ہو چکا ہے کہ جو جماعتیں اس کی مخالفت کے لئے سامنے آتی ہیں طریق کار وہ بھی اسی قسم کا اختیار کر لیتی ہیں۔

ان کے برعکس جو جماعت مستقل اقدارِ حیات اور غیر متبدل اصولوں پر ایمان رکھے اس کے نزدیک ذرائع اور مقصد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان کا مقصد بھی حق پر مبنی ہوتا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے ذرائع بھی وہی اختیار و استعمال کر سکتی ہے جو مبنی برحق ہوں۔ وہ اس حقیقت پر یقین رکھتی ہے کہ غلط راستہ کبھی صحیح منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ لہٰذا جو جماعت قرآن کا معاشی نظام نافذ کرنا چاہے وہ کبھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتی جو قرآن کی رُو سے باطل ہو۔ اور لوٹ مار۔ قتل و غارت گری۔ خلفشار۔ انتشار وغیرہ قرآن کے نزدیک سخت مذموم اور جھوٹ۔ فریب۔ مکاری۔ عیاری بدترین جرائم ہیں۔ وہ اس طریق کار کو فساد قرار دیتا ہے اور مفسدین اس کے نزدیک بدترین خلائق ہیں۔ اس کا طریق "انقلاب" ہے، فساد نہیں۔ اور ان دونوں میں جو بنیادی فرق ہے اس کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے، بالخصوص اسلئے کہ آجکل بدقسمتی سے فساد ہی کو انقلاب

کہہ کر پکارا جا رہا ہے حالانکہ جسے "انقلاب زندہ باد" کہا جاتا ہے اس سے مفہوم درحقیقت "فساد زندہ باد" ہوتا ہے ۔ آج فساد اس نے برپا کر دیا، کل کسی اور نے کر دیا۔

قرآنِ کریم کے نزدیک، خارجی دنیا (یا نظام) میں کوئی صحیح تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اس تبدیلی کی متمنی جماعت کے افراد کے قلب و نگاہ میں، قرآنی اقدار کے مطابق تبدیلی پیدا نہ ہو۔ وہ قلب و نگاہ کی اس داخلی تبدیلی کو انقلاب قرار دیتا ہے۔ یعنی انقلاب، قلب کی گہرائیوں سے ابھرنے والے مقاصد کے مظاہرہ کا نام ہے نہ کہ محض خارج میں فساد برپا کر دینے کا نام۔ قلب و نگاہ میں اس قسم کی تبدیلی کا مظاہرہ، انسان کے اخلاق و کردار سے ہوتا ہے۔ اسے وہ "اعمالِ صالحہ" کہہ کر پکارتا ہے۔ یعنی قلب و نگاہ کی بنیادی تبدیلی کا نام ایمان ہے اور اس ایمان کے عملی مظاہرہ کا نام اعمالِ صالح۔ اور ان دونوں کے حاملین کا نام ۔۔ جماعتِ مومنین۔ یہ ہے وہ جماعت جو قرآن کے معاشی نظام (بلکہ ہر قسم کے قرآنی نظام) کی داعی بن کر اٹھتی ہے اور انہی کے ہاتھوں سے یہ انقلاب ہویدا ہوتا ہے۔ قلب و نگاہ میں اس قسم کی تبدیلی کا کام، ایک دن کی بات نہیں۔ یہ مرحلہ بڑا صبر آزما اور ہمت طلب بھی ہوتا ہے اور کافی وقت کا متقاضی بھی۔ اس مرحلہ میں صبر طلبی ہی دشواری نہیں ہوتی۔ اس سے آگے بڑھ کر ایک دشواری اور بھی سامنے آتی ہے۔ وہ دشواری بڑی الجھنیں پیدا کرنیکا موجب بن جاتی ہے۔ وہ دشواری یہ ہے کہ قلب و نگاہ میں تبدیلی پیدا کرنیکا یہ مرحلہ بڑا غیر مرئی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ اس میں بظاہر نہ کوئی حرکت نظر آتی ہے نہ حرارت اسلئے سطح بین نگاہیں اسے "بے عملی" سے تعبیر کر دیتی ہیں۔ اور ان کے اس طعن سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اس جماعت کے زیرِ تربیت افراد، اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دنیا بہت آگے نکلی جا رہی ہے اور ہم یونہی اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ لیکن قرآنی جماعت نہ اغیار کے اس قسم کے طعنوں سے متاثر ہوتی ہے نہ خود اپنے اندر کے افراد سے مصالحت کی خاطر اپنا راستہ بدلنے کے لئے تیار ۔۔ خود نبی اکرمؐ اور جماعتِ مومنین کی مکی زندگی کی تیرہ سالہ طول و طویل (اور بظاہر بے حس و حرکت) مدت اسی صبر طلبی عشق کی مظہر تھی۔ جب اس جماعت کے افراد میں قلب و نگاہ کی ایسی تبدیلی اور سیرت و کردار میں ایسی پختگی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس نظام کے قیام کیلئے عملی قدم اٹھاتی ہے اور اس میں کوئی حربہ ایسا استعمال نہیں کرتی جسے قرآن فساد قرار دیتا ہو۔

میں قرآن کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میرا اوڑھنا بچھونا زندگی ہے۔ میں جہاں قرآن کے تجویز فرمودہ نظامِ حیات کی تبلیغ کرتا ہوں، اسکے ساتھ ہی اسکے بتائے ہوئے طریقِ کار پر بھی زور دیئے چلا آ رہا ہوں۔ یہی میری دعوت ہے جس پر میں خود بھی کاربند ہوں اور دوسروں کو بھی اس پر کاربند رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ اور چونکہ مجھے قرآن کی اس راہنمائی پر یقینِ محکم ہے اسلئے میں کسی خارجی اثر کے ماتحت اس سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہیں ہٹنا چاہتا۔ اس سلسلہ میں، میں آپکی توجہ اپنے اس استقبالیہ کیطرف بھی منعطف کرانا چاہتا ہوں جو "شرارِ زندگی" کے عنوان سے اسی اشاعت میں شائع ہو رہا ہے۔

حقائق و عبر

۱۔ حادثہ سے موت کا فائدہ

اگلے دنوں لاہور میں ایک بہت بڑے کاروباری کی موت حادثہ سے واقعہ ہوگئی۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اس موت کا سبب زہر خورانی تھا۔ ان صاحب کا تعلق جماعت اہلِ حدیث سے تھا۔ ان کی اس حسرتناک وفات پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار المنبر نے (جس کا مسلک اہل حدیث ہے) اپنی ۱۲/۵ ستمبر کی اشاعت میں لکھا ہے کہ :-

> ..... کی رحلت کا یہ پہلو حد درجہ الم انگیز ہے کہ یہ سانحہ انتہائی تیز اثر زہر "سائنائڈ" کھلانے سے ہوا۔ اس واقعہ نے اس صدمہ کو کئی گنا زیادہ کر دیا ہے۔ لیکن اس "شر" میں "خیر" کا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے یہ توقع ہے کہ ..... سے جو غلطیاں، لغزشیں اور بالخصوص بعض نامناسب قسم کے کاروبار کی صورت میں رونما ہوئیں، اللہ تعالےٰ اس حادثہ کو ان کا کفارہ بنا دیں اور انہیں اپنی مغفرتِ تامہ سے نوازیں۔

یعنی حادثہ سے موت واقعہ ہو جائے تو بلیک مارکٹنگ، سمگلنگ اور اسی قسم کی دیگر کاروباری بددیانتیاں سب معاف ہو جاتی ہیں!

قرآن کریم کی رُو سے شہید کا مرتبہ سب سے بلند ہوتا ہے — اتنا بلند کہ انہیں مردہ کہنا یا مردہ سمجھنا بھی معصیتِ خداوندی میں داخل ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ روایات کی رُو سے شہیدوں کے زمرے میں کون کون داخل ہو جاتا ہے۔ غور سے سنیئے۔ مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ تم کن لوگوں کو شہید سمجھتے ہو؟ حاضرین نے عرض کیا کہ جو خدا کی راہ میں مارا جائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح تو میری امت میں شہداء کی مقدار بہت کم رہ جائے گی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ پھر شہید کون

ہے : فرمایا جو خدا کی راہ میں مارا گیا وہ شہید۔ جو طاعون سے مر گیا وہ شہید۔ جو اسہال (دستوں کی وجہ) سے مر گیا وہ شہید۔ جو پانی میں ڈوب کر مر گیا وہ شہید۔ جو مکان کے گرنے سے مرجائے وہ شہید۔ (اسی طرح ابوداؤد اور نسائی میں ہے کہ) جو نمونیہ سے مرجائے وہ شہید۔ جو آگ میں جل کر مرجائے وہ بھی شہید؛ جو عورت وضع حمل سے مرجائے وہ بھی شہید۔

اخبر نے غالباً اسی پر مستنبط کر کے 'حادثہ (زہر خورانی) کی موت کو مغفرت کا موجب قرار دیا ہے؛ ہمیں ان حضرات پر نہ کوئی افسوس ہے نہ حیرت۔ تاسف اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس قسم کی روایات اس ذاتِ اقدس و اعظم کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں جس کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا گیا کہ۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ (۶/۱۵)

اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ اگر میں بھی اپنے رب کے کسی حکم کی خلاف ورزی کروں تو یوم مکافات سے مجھے بھی خائف رہنا ہوگا۔

غور کیجئے کہ خدا کے اس دین کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا ہے۔

———(۰)———

۲۔ جھوٹ بولو ——— اور بولتے چلے جاؤ

آپ کو معلوم ہے بعض لوگوں کی کوئی "چڑ" ہوتی ہے۔ وہ اچھے بھلے بیٹھے ہیں کسی نے ان کی "چڑ" کا لفظ کہہ دیا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑنے لگ گئے۔ جماعتِ اسلامی کی "چڑ" یہ ہے کہ

مودودی صاحب نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

جونہی کسی کی زبان یا قلم سے یہ الفاظ نکلے ان کے مرید دیوانہ وار اُٹھ کھڑے ہوتے اور پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ کہنے والے کے اس دعویٰ کے ثبوت میں خود مودودی صاحب کی اپنی تحریریں موجود ہیں کہ ان کی تردید بن ہی نہیں پڑتی۔ اس مشکل کے وقت ان حضرات کے کام ان کے امیر کا یہ فتوےٰ آتا ہے کہ زندگی کی عملی ضروریات کے لئے جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے۔

اس تشبیب کے بعد گریز کی طرف آیئے۔ کسی صاحب نے کہہ دیا کہ خان عبدالغفار نے اگر تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی تو مودودی صاحب نے بھی تو ایسا کیا تھا ——— دیوانہ را ہوئے بس است ———

اخبار ایشیا نے اپنی ۲۱ ستمبر کی اشاعت میں ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جس میں حسبِ معمول یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی کہ مودودی صاحب نے تحریکِ پاکستان کی کبھی مخالفت نہیں کی تھی۔ اتفاق سے اس بحث میں ۱۹۴۷ء میں سرحد کی اس ریفرینڈم کا بھی ذکر آگیا ہے تشکیلِ پاکستان کے راستے میں آخری سنگِ گراں کے طور پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایشیا نے لکھا کہ

> جب پاکستان سے الحاق کے لئے ریفرینڈم کا وقت آیا تو جماعتِ اسلامی کی پوری تنظیم مولانا مودودی کی ہدایت پر پاکستان کے حق میں مصروفِ جہاد ہو گئی۔

اس میں کہا گیا ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی جماعت کو ہدایت کی تھی کہ وہ پاکستان کے حق میں ووٹ دیں۔ اور اس ہدایت پر کاربند ہونے کے لئے ان کی جماعت پاکستان کے حق میں مصروفِ جہاد ہو گئی۔

ہوا کیا تھا؟ اسے خود مودودی صاحب کے الفاظ میں سنیئے۔ ان کی جماعت کے بعض افراد نے ان سے خاص طور پر دریافت کیا کہ انہیں ریفرینڈم کے سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ اسکے جواب میں مودودی صاحب نے فرمایا۔

> رہا یہ سوال کہ کس چیز کے حق میں رائے دیں تو اس معاملہ میں جماعت کیطرف سے کوئی پابندی نہیں عاید کی جا سکتی کیونکہ جماعت اپنے ارکان کو صرف ان امور میں پابند کرتی ہے جو تحریکِ اسلامی کے اصول و مقاصد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ نہ اصولی ہے نہ مقصدی۔ اسلئے ارکانِ جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جو رائے چاہیں دیں۔ (رسائل و مسائل۔ جلد اول صفحہ ۳۴۳)

یعنی ایسے نازک مقام پر جہاں ایک ووٹ بھی پاکستان کے بننے اور نہ بننے کا فیصلہ کر سکتا تھا، مودودی صاحب اپنی جماعت سے کہتے ہیں کہ

(۱) پاکستان کا تحریکِ اسلامی کے اصول و مقاصد سے کوئی تعلق نہیں۔ اور

(۲) ریفرینڈم کا معاملہ تحریکِ اسلامی کے نقطۂ نگاہ سے نہ اصولی ہے نہ مقصدی۔

یہ ایک عام معاملہ ہے جس کا تعلق نہ دین سے ہے نہ مسلمانوں کے مستقبل سے۔ تمہارا جی چاہے اسکے حق میں ووٹ دے دو، جی چاہے اسکے خلاف ووٹ ڈال دو۔

یہ تھی وہ ہدایت جس کے متعلق اب کہا جا رہا ہے کہ اسکی پابندی کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی پاکستان کے حق میں مصروفِ جہاد ہو گئی! ووٹ غالباً خفیہ ڈالے گئے تھے۔ اسلئے اس زمانے تک میں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس نے کس کے حق میں ووٹ ڈالا تھا، چہ جائیکہ اب بائیس برس کے بعد اسکا

فیصلہ کیا جا سکے! اسلئے اس باب میں جھوٹ بولنے کی کافی گنجائش ہے۔ لیکن اُس "ہدایت" کے بعد اس جماعت نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۳۔ انتہائی کمینگی

(سابق) صدر ایوب اچھا تھا یا بُرا، ہم اس وقت اس سوال کو زیرِ بحث نہیں لا رہے۔ ہم نے تشکیلِ پاکستان کے بعد ہر حکومت کی اچھائیوں کی تعریف کی اور جس بات سے ہمیں اختلاف ہوا اس پر تنقید کی۔ اسمیں صدر ایوب کا دورِ حکومت بھی شامل تھا۔ لیکن ہم اس وقت جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، وہ کچھ اور ہے۔

جب سے صدر ایوب اقتدار سے الگ ہوئے ہیں، ملک کا ایک طبقہ انہیں ہدفِ طعن و تشنیع بنا رہا ہے ــــ ان میں بعض لوگ دشنام دہی تک بھی اتر آئے ہیں، جو ہمارے نزدیک کسی شریف انسان کا شیوہ نہیں قرار پا سکتا ــــ ان لعنت ملامت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں ــــ اور بڑے فخر سے بڑھ چڑھ کر آگے آ رہے ہیں ــــ جو صدر ایوب کے دورِ اقتدار میں، ان کے سب سے بڑے مدح خوان تھے۔ ان میں سے بعض بڑے بڑے بلند مناصب پر فائز تھے اور بعض ایسے جو طرح طرح کے مفاد حاصل کرتے تھے۔ یہ حضرات، صدر ایوب کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے نہیں تھکتے تھے۔ یہ ان کے خاص مصاحب اور مقرب بنے رہتے تھے۔ لیکن جونہی وہ اقتدار سے الگ ہوئے، یہ بھی لعن طعن پر اُتر آئے۔

ہمارے نزدیک، یہ انسانی کیریکٹر کی انتہائی پستی اور کمینگی ہے کہ جب تک کوئی شخص برسرِ اقتدار رہے اسکی مداح سرائی کی جائے، اور جونہی وہ اقتدار سے الگ ہو، اسے ہدفِ طعن و تشنیع بنانا شروع کر دیا جائے۔ یہ خود غرضی، بزدلی، اور منافقت کی بدترین مثال ہے۔ ایسے لوگوں پر نہ کبھی اعتماد کرنا چاہیئے نہ شریف انسانوں کو انہیں اپنے پاس بٹھانا چاہیئے۔

لیکن ہمارے ہاں ایسی جماعتیں بھی ہیں جو اس قسم کے منافقوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر باہر لاتیں، انہیں ہاتھی پر چڑھاتیں اور ان کی گالیوں پر "حق گوئی" کا لیبل لگا کر، انہیں قوم کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں ــــ ان کا یہ کردار، ان منافقین سے کم شرمناک نہیں۔ حق گو وہی کہلا سکتا ہے جو کسی کے اقتدار کے زمانے میں بھی اسے غلط بات پر ٹوکے۔ نہ وہ جو اُس وقت اسکی کاسہ لیسی کرے اور جب وہ اقتدار سے الگ ہو جائے تو اسے گالیاں دینے لگ جائے۔

۴- اسلامی آئین

پاکستان کا آئین کیسا ہونا چاہیئے' اکیس برس سے اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب کسی سے بن نہیں پڑتا متفق علیہ مطالبہ یہ ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہونا چاہیئے۔ لیکن پھر مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ کوئی اتنا بھی نہیں بتا سکتا کہ" اسلامی " بالآخر کہتے کسے ہیں۔ ملت کو شکر گزار ہونا چاہیئے قاری عبدالرحمٰن کریمی — صدر جمعیت اسلامی' وخطیب طاہرہ جامع مسجد بی بی پاک دامن' لاہور' کا جنہوں نے پاکستان کے لئے اسلامی آئین مرتب کر کے اسے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ اس آئین کی دو خصوصیات ہیں۔ اول یہ کہ بہت سے علمائے کرام نے اسکی تصویب وتوثیق کی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ آئین زیادہ دو چار شقوں کے تمام کا تمام' مودودی صاحب کے لٹریچر سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے لئے مرتب نے ساتھ کے ساتھ حوالے بھی دے دیئے ہیں۔ اس آئین کی ضروری دفعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) خلیفہ وقت کا انتخاب دارالخلافہ کی سب سے بڑی جامع مسجد میں ہوگا۔ اور خلیفہ وقت انتخاب کے بعد تاحیات خلیفہ رہیگا۔ بشرطیکہ خلیفہ کبیرہ گناہ سے محفوظ اور صغیرہ سے پرہیز کرتا ہو۔ نیز عدل و انصاف کرے اور اللہ ورسول کی مکمل اطاعت کرتا ہے۔

(مولانا مودودی۔ "خلافت وملوکیت" ص۱۳۱)

(۲) خلیفۂ وقت کے انتخاب میں ملک کے وہ تمام بڑے مذہبی علماء حصہ لینگے جو اپنے تقویٰ' پرہیزگاری اور علم کی وجہ سے ممتاز ہوں۔ (مولانا مودودی۔ "خلافت وملوکیت"۔)

(۳) خلیفۂ وقت کا فیصلہ آخری ہوگا جب کہ وہ کسی شرعی عمل کے متقابل یا متصادم نہ ہو۔

(مولانا مودودی۔ "خلافت وملوکیت" ص۱۱۱)

(۴) خلیفۂ وقت تمام معاملات پر خود مختار ہوگا۔ انتظامیہ اور عدلیہ پر خلیفۂ وقت کا کنٹرول ہوگا۔

(مولانا مودودی۔ "خلافت وملوکیت")

(۵) خلیفہ' مجلس شوریٰ خود مقرر کرے گا جو خلیفہ وقت کو مشورہ دیا کریگی۔ لیکن خلیفہ وقت ان کے فیصلوں کا پابند نہیں ہوگا۔ خلیفہ' اللہ اور مسلمانوں کے سامنے جواب دہ ہوگا۔

(مولانا مودودی۔ "اسلام کا شورائی نظام"
مطبوعہ ترجمان القرآن۔ اشاعت ستمبر ۱۹۳۵ء)

(۶) حکومت کا تمام کام اور تمام عدالتی کاروائی عربی زبان میں ہوگی اور تمام عدالتی فیصلے قرآن اور شرع کی روشنی

میں سلے کئے جائینگے۔

(۷) اسلامی سوشلسٹ یا کمیونسٹ کہلانے والے افراد کو منافق قرار دیا جائیگا۔

(مولانا مودودی۔ اخباری بیان۔ مطبوعہ "مشرق"۔ ۱۱ نومبر ۱۹۶۸ء)

اب آگے بڑھیئے:۔

(۸) اسلامی فوج کی کوئی تنخواہ نہیں ہوگی۔ اور مالِ غنیمت کا $\frac{۴}{۵}$ حصہ تمام فوجیوں کو برابر برابر تقسیم ہوگا ہاں اگر کوئی مجاہد دشمن کا کوئی آدمی قتل کرے تو مقتول کا تمام مال وزر مجاہد کی ملکیت ہوگا۔

(مولانا مودودی۔ "الجہاد فی الاسلام")

(۹) جھوٹ بولنے والوں کو سخت سزا دیجائیگی۔ مگر جو لوگ یہ ثابت کرسکیں کہ انہوں نے اسلام کے بول بالا یا کافروں سے جان بچانے کے لئے جھوٹ بولا تھا۔ یا سچ بولنے سے اُن کے ازدواجی تعلقات بگڑنے کا اندیشہ تھا، مندرجہ بالا سزا سے مستثنیٰ ہونگے۔

(مولانا مودودی۔ "رسائل و مسائل" حصہ دوم۔ صفحہ ۳۲۰)

(۱۰) ایوب خان کے عائلی قوانین منسوخ کر دیئے جائینگے اور ہر مرد کو چار شادیوں کی آزادی ہوگی۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ ہر وہ شخص جو پہلی۔ دوسری۔ تیسری۔ چوتھی بیوی کے درمیان انصاف نہیں کرتا، اس کا سختی سے محاسبہ ہو۔

(مولانا مودودی۔ پمفلٹ "عائلی قوانین")

(۱۱) توحید۔ رسالت۔ خلافت۔ ولایت۔ کرامات و معجزات۔ ملائکہ۔ حور و غلمان۔ جنات۔ جنت و دوزخ پر ایمان نہ رکھنے والے مسلمان مجرم قرار دیئے جائینگے۔

(مولانا مودودی۔ پمفلٹ "اسلام کیا ہے؟"۔ شائع شدہ ۱۹۵۰ء)

(۱۲) چوری کے مرتکب اشخاص کے ہاتھ کاٹے جائینگے۔ اور اس سلسلے میں کسی شخص سے رعایت نہ برتی جائے گی۔ ہاتھوں سے محروم سابقہ چور مرد و عورت کے لئے خیرات حاصل کرنے یا بھیک مانگنے کی سہولیات بہم پہنچائی جائینگی۔

(مولانا مودودی۔ "ترجمان القرآن"۔ اشاعت۔ مارچ ۱۹۳۵ء)

(۱۳) اللہ کی عنایت کردہ نعمتوں سے سرفراز حضرات کی دولت پر نظر رکھنے والے مجرم قرار دیئے جائینگے۔

(مولانا مودودی۔ پمفلٹ "اسلام اور ملکیت"

"ترجمان القرآن"۔ اشاعت اپریل ۱۹۶۸ء)

(۱۴) عورتوں کے لئے پردہ کی مکمل پابندی لازم ہوگی۔ اور کوئی عورت تمام اعضائے زیبائش کو چھپائے بغیر کسی نامحرم کے سامنے نہ آسکے گی۔ (مولانا مودودی ۔ "پردہ" حصہ اول)

(۱۵) کوئی عورت آرائش کی کوئی چیز استعمال کرکے ماسوائے بھائی۔ والد یا خاوند کسی غیر مرد کے سامنے نہ آسکے گی۔ (مولانا مودودی۔ "پردہ"۔ حصہ اول)

(۱۶) کسی عورت کے کسی ایسے مرد سے جنسی تعلقات جو اس کا مالک یا خاوند نہ ہو تو زنا تصور کئے جائیں گے اور اسکے ایسا کرنے پر سو درّے مارے جائیں گے بشرطیکہ چار آدمیوں نے اُسے مباشرت کرتے وقت اپنی آنکھ سے دیکھا ہو۔ اسطرح اگر کوئی مرد کسی ایسی عورت سے مباشرت کرے جو اسکی بیوی یا کنیز نہ ہو تو چار عینی شہادتوں پر حد لگائی جائیگی۔ (مولانا مودودی۔ رسائل و مسائل۔ حصہ اول)

لونڈیوں کے متعلق دفعات پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً

(۱۷) لڑائی میں حاصل کئے جانیوالے قیدی مرد اور عورتیں بطور غلام یا کنیز بیت المال میں تقسیم ہونگے اور حاصل کرنیوالوں کو انہیں شرعی حکم پر خود استعمال کرنے یا فروخت کرنے کا مکمل اختیار ہوگا۔

(مولانا مودودی۔ "الجہاد فی الاسلام")

(۱۸) اگر کوئی شخص چاہے تو اپنے کسی دوست یا عزیز کے ذریعے کوئی خادمہ یا کنیز خدمت کے لئے تحفتہً یا ہدیتہً حاصل کرسکے گا۔ اور اُس دن سے وہ عورت اُسکی ملکیت میں تصور کیجائے گی۔ لیکن کوئی شخص کسی عورت سے کسی قسم کے کوئی تعلقات بغیر نکاح کئے یا اُسے تحفتہً یا ہدیتہً کنیز کے طور پر ہمیشہ کیلئے حاصل کئے بغیر نہ رکھ سکیگا۔ مغربی معاشرہ کے دلدادے کال گرلز۔ گرلز فرینڈ اور بلاحد ڈیٹس کے مرتکب سزا پائینگے۔

(مولانا مودودی۔ حقوق الزوجین)

(۱۹) صاحب حیثیت لوگ باہمی سمجھوتہ سے حسب دستور خلافت راشدین مقررہ ہدیہ کے عوض بیت المال سے غلام یا کنیزیں خرید سکیں گے۔ غلام یا کنیز وہ لوگ ہونگے جو جنگی قیدی ہوں یا سرکاری قیدی ہوں اور ہر غلام مرد و عورت پر اپنے آقا کی اطاعت لازمی ہوگی لیکن آقا کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے اور جو کپڑا خود پہنے وہی انہیں پہنائے۔ اور انکے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنے والے آقاؤں کو سزا دیجائیگی۔

(مولانا مودودی "سیاسیات"۔ صفحہ نمبر ۱۲۵۔ مطبوعہ ۱۹۳۲ء)

غلاموں اور لونڈیوں کا ذکر کرتے وقت مرتب آئین کے دل میں یہ خیال گذرا کہ آجکل کے "خدا فراموش مغرب زدہ مسٹر" اس پر اعتراض کرینگے، اسلئے انہوں نے ان اعتراضات کا جواب اپنے پیش لفظ میں ان الفاظ میں پہلے ہی دیدیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ بہت سے مغربی تعلیم یافتہ اور مغربی تہذیب کے اسیر اس نظامِ غلامی پر ناک بھوں چڑھائیں لیکن اُن کو شاید علم نہیں کہ اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے اور تہذیب کے پردے میں داشتاؤں، گرل فرینڈوں، کال گرلز اور بلائنڈ ڈیٹس وغیرہ کی اجازت نہیں دیتا — آج سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ اس مسئلے پر میری ایک امریکی عورت اور ایک مغربی تہذیب کے دلدادہ پاکستانی نوجوان سے بات چیت ہوئی۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ مغرب میں ستر فیصد لیڈی سیکرٹریوں کے اپنے افسروں اور مالکوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم ہوتے ہیں؟ انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا — میں نے مزید دریافت کیا کہ اگر کسی لیڈی سیکرٹری کے ہاں بچہ ہو جائے تو کیا وہ اُس کے افسر یا مالک کی جائیداد کا وارث ہوتا ہے — انہوں نے کہا کہ بالکل نہیں، وہ بچہ حرامی کہلاتا ہے اور یتیم خانے میں پلتا ہے۔ تب میں نے ان کو بتایا کہ اسلامی شریعت کی رُو سے اگر کنیز کے ہاں اولاد ہو جائے تو اس کنیز کے مالک کی جائز اولاد تصور کی جاتی ہے۔ اور وہ بچہ کنیز کے مالک کی جائیداد کا وارث ہوتا ہے — میرے خیال میں قحبہ خانوں، چکلوں اور طوائفوں کا وجود ختم کرنے کے لئے اور زمانۂ حال کی ہولناک بیکاری و معاشی بدحالی کا علاج بھی اسلام کے نظامِ غلامی میں مضمر ہے۔

اسلام کبھی کوئی غیر فطری حکم نہیں دیتا۔ آجکل یہ بات عموماً سننے میں آتی ہے کہ فاحشہ یا بے سہارا عورتوں کے وجود کو ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایسی عورتوں کو نکاح میں لے آیا جائے — حالانکہ یہ بات انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ کوئی مرد کسی عورت کو اور خصوصاً فاحشہ عورت کو یک بیک اپنی بیوی کے طور پر قبول کر لے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام جنگ سے حاصل شدہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیتا۔ لیکن اس کے برعکس اسلام نے اُن عورتوں کو کنیز بنانے پر زور دیا، بیویاں بنانے پر نہیں۔ اسلام ہمیشہ وہ بات کہتا ہے کہ جو انسانی مزاج کے مطابق ہو — اسلام نے غلامی کو ممنوع قرار نہیں دیا، بلکہ یہ کہا ہے کہ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جانا چاہیئے — آقا جو خود کھائے، وہی اپنے غلام یا کنیز کو کھلائے، جو خود پہنے، وہی اپنے غلام یا کنیز کو پہنائے — اللہ اللہ! کیا کسی اور ایسے مذہب کی مثال پیش کی جا سکتی ہے جس نے ملازموں، غلاموں اور کنیزوں کے حقوق پر اتنا زور دیا ہو — نہیں، یہ اسلام اور صرف اسلام ہے، جو انسانی مقتضیات کی نگہبانی کرتا ہے — یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمان، آج اسلام کے نظامِ غلامی کو بھلا چکے ہیں — مغربی تہذیب کی یلغار نے ان کے ذہنوں کو ماؤف کر دیا ہے — وہ اپنے مذہب کے تمام اصولوں کو فراموش کر چکے ہیں — آج مغرب کی عورت سنِ بلوغت کو پہنچنے کے بعد اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے

کے لئے، ملازمت کرنے پر مجبور ہوتی ہے — اور اس کے لئے اُس کو سینکڑوں دفتروں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں — مجھے یقینِ کامل ہے کہ اگر اسلام کے نظامِ غلامی کے اصول مغرب کی لیڈی سیکرٹریوں کے علم میں آجائیں تو وہ گھٹنوں کے بل جھک کر گڑگڑائیں کہ خدا کے لئے ہمیں اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے آقاؤں کی کنیزیں بنا دو — !

دس کی ہو کر رہنے سے ایک کی ہو کر رہنا زیادہ بہتر ہے۔ اس دَور کی مغربی عورت، روزی کے لئے دس کی ہو کر رہنے پر مجبور ہے — !

کاش مغربی تہذیب کے علمبردار اور دلدادہ' اسلامی نظام کو سمجھیں — !"

چونکہ یہ آئین (کم از کم) تمام کا تمام' مودودی صاحب کی تصدیقات پر مبنی ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ جماعتِ اسلامی' حکومت پر زور ڈالیگی کہ اسے ملک میں نافذ کر دیا جائے۔ اس سے سارے مسئلے حل ہو جائینگے۔

(۷)

نظریۂ پاکستان اور ۱۹۵۶ء کا آئین

یہ بالکل صحیح ہے کہ جو شخص کسی مملکت کی اساس پر ہی یقین نہیں رکھتا' اسے اس مملکت کے امور سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ اس مملکت میں ایک عام شہری کی حیثیت سے رہ سکتا ہے' مملکت کی مشینری کے پرزہ کی حیثیت سے نہیں۔

مملکتِ پاکستان کی اساس وہ ہے جسے عام طور پر نظریۂ پاکستان کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ کیا ہے؟ مختصر الفاظ میں یہ کہ

مسلمان' دین کے اشتراک کی بنا پر غیر مسلموں سے الگ ایک قوم ہیں۔ اور اس قوم کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت ہے جس میں وہ اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

جماعتِ اسلامی' اس نظریہ کے حامل ہونے کی شدت سے مدعی ہے۔ اس باب میں ان کا مسلک یہ ہے کہ جو لوگ' اُن کے خیال کے مطابق' اس نظریہ کے حامی نہیں' ان سے پاکستان کے معاملات میں کوئی بات نہیں کرنی چاہیئے — بہت اچھا۔

اس کے ساتھ ہی جماعتِ اسلامی' کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۵۶ء کا آئین' بنیادی طور پر اسلامی ہے۔ پہلے

پاکستان میں اسے نافذ کر دینا چاہیئے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ۱۹۵۶ء کا آئین نظریۂ پاکستان کا حامل ہے؟ اس آئین کے سرسری سے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ وہ آئین اس نظریہ کا حامی نہیں۔ اس میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ پاکستان میں بسنے والے مسلمان، اشتراکِ ایمان کی بنا پر ایک الگ قوم ہیں، اور یہاں کے غیر مسلم الگ قوم۔ وہ آئین، دو قومی نظریہ کا حامی ہی نہیں۔ وہ پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ایک قوم تصور کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جداگانہ انتخاب کا بھی قائل نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب ۱۹۵۶ء کا آئین سرے سے نظریۂ پاکستان ہی کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر وہ اسلامی کس طرح ہے اور جماعتِ اسلامی اسے اختیار کرنے پر مصر کیوں ہے۔

اور جب اس جماعت کا اپنا مسلک یہ ہے تو نظریۂ پاکستان کی سب سے بڑی مخالف تو خود یہ آپ ہے۔ اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ یہ دوسروں کو نظریۂ پاکستان کا مخالف قرار دے کر ان کے خلاف محاذ قائم کرنے کی مہم چلائے؟

(✻)

عالمگیر افسانے

جنہیں حقیقت سمجھ لیا گیا!

مسلمانوں (اور غیر مسلموں) میں کئی ایک ایسی باتیں رائج ہیں جنہیں وہ حقیقت سمجھتے ہیں لیکن دراصل وہ افسانے ہیں۔ پرویز صاحب نے ان افسانوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کو ہٹا کر بے نقاب کر دیا ہے۔ بڑی دلچسپ اور بصیرت افروز کتاب ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

ناظم۔ ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵/بی۔ گلبرگ۔ لاہور

نقد و نظر

۱۔ سوشلزم۔ (ایک مسلمان کی نظر میں)

مجلسِ احرار کے ممتاز لیڈر، چوہدری افضل حق (مرحوم) کے متعلق عوام کو یہ معلوم ہے کہ وہ ایک شعلہ بیان لیکن سلجھے ہوئے مقرر تھے۔ لکھا پڑھا طبقہ یہ بھی جانتا ہے کہ (سابق پولیس افسر ہونے کے باوجود) انکی تحریریں کس قدر شگفتگی، سادگی، روانی اور علمیت کی مظہر ہوتی تھیں۔ لیکن اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہوں گے کہ ان کا معاشی نظریہ کیا تھا، اور وہ آج سے تیس سال پہلے، وہ کچھ کہتے تھے جو پاکستان میں آج سوشلسٹ کہتے ہیں ــــ اور کہتے تھے اسلام کی سند کے ساتھ ــــ ان کی ان تحریروں کا ایک مختصر سا مجموعہ وہ کتابچہ ہے جو اس وقت زیرِ تبصرہ ہے۔ اسے محمد مہدی صاحب نے مرتب اور کلاسیک (بکڈپو۔ مال روڈ) لاہور نے شائع کیا ہے۔ قیمت اسکی ۵۰ پیسے ہے۔

اس کتابچہ کا بیشتر حصہ اس خط کے جواب پر مشتمل ہے جو چوہدری صاحب (مرحوم) نے مولانا بہاالحق قاسمی (امرتسری) کے کسی خط کے جواب میں لکھا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:۔

> اسلام شخصی جائیداد کے تصور کی نفی کرتا ہے ..... امیر کی اصطلاح غیر اسلامی تصورات کی آئینہ دار ہے ..... انسانوں کو امیر و غریب دو گروہوں میں تقسیم کرنا خدا کا کام نہیں شیطان کا کام ہے ..... اسلام میں تعلقہ داری اور جاگیرداری کا سرے سے وجود ہی نہیں ..... چاہے تفصیلات میں فرق ہو مگر اشتراکیت اور اسلام میں ملکیت کا اصول ایک ہے۔ وہ لوگ خدا کو نہیں مانتے اس لئے براہِ راست حکومت کو جائیداد کی حاکم سمجھتے ہیں۔ اسلام میں ملکیت خدا کی طرف منسوب ہے۔ اسکی وساطت سے حکومت برحق یا خلافتِ شرعیہ کو وہ ملکیت ملتی ہے۔

ــــ اُس زمانے میں چین ہنوز ابھر کر سامنے نہیں آیا تھا اور اشتراکیت کا نمائندہ روس ہی تھا۔ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

> مسلمانوں کو سوشلسٹ سے نفرت نہ ہونی چاہیئے۔ اگر وہ خدا کا قائل نہیں تو بروئے مذہب

> تین خداؤں کو ماننے والے عیسائی اور دو کروڑ دیوتاؤں کے پجاری ہندو سے تو برا نہیں۔ منفی دین سے پوچھو۔ منکر، مشرک سے بہرحال بہتر ہے۔ سالکِ سلوک کی اول منزل تو نفی ہی ہے۔ الا اللہ کے لا الٰہ کی مصلحت پر غور کرو۔ صوفی مدتوں لا الٰہ کی ضربیں دل پر لگاتا ہے، پھر الا اللہ کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ اسی طرح' زمانہ' راہ و رسمِ منزل سے واقف سالک کی طرح' اشتراکی روس کو نفی کا درس دے رہا ہے تاکہ ماسوا اللہ کا وہم دل سے دور ہو اور الا اللہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

سارے کتابچے میں یہی تعلیم سامنے لائی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ مذہب پرست طبقہ کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی ہوگی۔ چوہدری صاحب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

> ہمارا سارا مذہبی لٹریچر سرمایہ داری کے قلزم میں تیرہ سو سال تک ڈبکیاں کھاتا ہم تک پہنچا ہے۔

اس خط سے اس عمیق حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اس اجمال کی تفصیل چوہدری صاحب کے الفاظ میں سنئے۔ معلوم ہوتا ہے چوہدری صاحب نے اپنے کسی دعویٰ کی تائید میں قرآن مجید کا حوالہ دیا ہوگا۔ قاسمی صاحب نے انسانی حوالہ سے اس کی تردید کی۔ اس سلسلہ میں چوہدری صاحب لکھتے ہیں۔

> خدا کا قول تو سچ نہ رہا اسلئے آسمانی صحیفہ کی تائید کے لئے رسالہ "ترجمان القرآن" کا حوالہ مستند ہو گیا۔ بعض اوقات انسان جب اوپر کے زینے سے پھسلتا ہے تو نیچے کے زینے تک پھسلتا آتا ہے۔ بہتر ہوتا مولانا کسی ایسے شخص کا حوالہ دیتے جس سے (مودودی صاحب) محترم مدیر "ترجمان القرآن" نے یہ خیالات حاصل کئے ہیں تاکہ پتہ چل سکتا کہ یہ سرمایہ داری کا ایجنٹ تو نہیں جو کروڑوں روپے پانی کی طرح بہا کر روسی نظامِ حکومت کو بدنام اور برباد کرنا چاہتے ہیں تاکہ غرباء امراء کے پنجے سے نکلنے کا سہارا نہ پائیں۔ (صفحہ ۱۵)

یا اللہ! یہ ایجنٹی دھندا کا قصہ آج کا نہیں۔ بہت پرانا ہے ــــــ میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا۔

۲۔ مجمع البحرین

اسلام کا پروگرام نوعِ انسان کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا۔ اس پروگرام کا آغاز اس نے ایک ایسی امت کی تشکیل سے کیا جس میں نہ باہمی اختلاف تھا نہ افتراق۔ اس امت کی یہ اجتماعیت اور وحدت اس وقت تک قائم رہی جب تک وہ قرآن پر عمل پیرا رہی۔ کیونکہ قرآن کا دعویٰ تھا (اور بالکل برحق دعویٰ) کہ اس میں ہر قسم کے اختلافات مٹانے کی صلاحیت ہے۔ جب امت نے خارج از قرآن معتقدات و نظریات کو اپنا لیا تو اس سے اس میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام اپنی اصلی شکل میں اسی صورت میں سامنے آ سکتا ہے جب امت میں پھر سے وحدت پیدا ہو جائے۔ بنا بریں ہر وہ کوشش جو امت میں وحدت پیدا کرنے کے لئے بروئے کار لائی جائے، درخورِ تحسین ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب اسی قسم کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس میں مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواروی نے مختلف موضوعات سے متعلق ان روایات کو جمع کیا ہے جو شیعہ اور سنی فرقوں میں متفق علیہ ہیں۔ اول تو سنی حضرات کے احادیث کے مجموعے ہی ضخامت میں کچھ کم نہیں۔ پھر جب ان میں شیعہ حضرات کے مجموعوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ بحرِ ذخار جس قدر ناپیدا کنار ہو جائے گا اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس بحرِ ناپیدا کنار سے متفق علیہ روایات کا تلاش کرنا بڑی ہی غوطہ زنی چاہتا تھا۔ اس میں شاہ صاحب نے جس ہمت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے وہ فی الواقعہ داد کی مستحق ہے۔ کتاب کا تعارف و تبصرہ حجۃ الاسلام علامہ مفتی جعفر حسین صاحب نے تحریر فرمایا ہے اور تقریظ علامہ سید نصیر الاجتہادی صاحب نے۔ اول الذکر نے شاہ صاحب کی کوشش کی داد دینے کے بعد لکھا ہے کہ "فاضل جامع کے پیشِ نظر ہم معنی احادیث کو جمع کرنا ہے۔ اس کی تشریح و توضیح نہیں۔ انہوں نے چند روایات ایسی بھی درج کی ہیں جو دونوں فرقوں کی کتابوں میں اگرچہ موجود ہیں لیکن وہ دونوں فریقوں یا کسی ایک فریق کے ہاں متروک العمل ہیں۔" اور علامہ نصیر الاجتہادی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ "بلاشبہ اس مجموعہ احادیث میں کچھ ایسے روایات ہیں جو روایۃً یا درایۃً محلِ نظر ہیں یا تشریح طلب ہیں اور ان سے متفق ہونا ضروری نہیں ..... لیکن اس امر سے اس کتاب کی روح اور مقصد غالب کو نقصان نہیں پہنچتا۔"

کتاب، دبیز سفید کاغذ پر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ نے شائع کی ہے۔ اور مجلد کی قیمت چھ روپے ہے۔

ادارہ طلوعِ اسلام کی مایہ ناز پیش کش

کتابِ آخرت

یعنی

جہانِ فردا

پرویز صاحب نے سلسلۂ معارف القرآن کا آغاز آج سے تیس سال پہلے کیا۔ اس وقت تک اس سلسلہ کی حسبِ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ من و یزداں۔ ابلیس و آدم۔ جوئے نور۔ برقِ طور۔ شعلۂ مستور معراجِ انسانیت۔ اسلام کیا ہے ـــ اس سلسلہ کی آخری کڑی مرنے کے بعد کی زندگی سے متعلق تھی جس کا ایک عرصے سے انتظار تھا ـــ للہ الحمد کہ وہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔

اُخروی زندگی سے متعلق اُنکی کتاب

جہانِ فردا

نہایت آب و تاب سے شائع ہو گئی ہے ـــــ اس میں

موت۔ قبر۔ برزخ۔ حشر۔ نشر۔ جنت۔ دوزخ وغیرہ

موضوعات پر قرآنی حقائق پیش کئے گئے ہیں۔ کتاب کی اہمیت' اس کے موضوع اور مشمولات سے ظاہر ہے اور پھر اس سے بھی کہ یہ کتاب' اس موضوع پر' مفکرِ قرآن کے عمر بھر کے غور و فکر کا نچوڑ ہے!

کتاب دو ایڈیشنوں میں شائع کی گئی ہے۔ قسم اوّل۔ سفید کاغذ۔ عمدہ جلد اور حسین گرد پوش۔ قیمت دس روپے 10/-

قسم دوم۔ نیوز پرنٹ کاغذ۔ بکس بورڈ کور۔ قیمت چھ روپے 6/-۔ (علاوہ محصول ڈاک)

فرمائش بھیجتے وقت اس کی تصریح کر دی جائے کہ کون سی قسم مطلوب ہے۔

ملنے کا پتہ

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ ـــــ لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

پرویز صاحب کا خطاب

جس سے اُنہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن
(منعقدہ ۱۷ تا ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء) کے مندوبین کا
اِستقبال کیا!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شرارِ زندگی

دمادم نقش ہائے تازہ ریزد — بیک صورت قرارِ زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است — بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

رفیقانِ محترم! سلام و رحمت

مقامِ ہزار تشکر و امتنان ہے کہ سرمستانِ بادۂ قرآنی، سال بھر کی مفارقت کے بعد آج پھر انجمن آرائے بزمِ قرآنی ہو رہے ہیں۔ یوں تو، اگر (غالب کے الفاظ میں) شبہائے ہجر کو بھی حساب میں رکھا جائے تو سال بھر کی یہ مدت بڑی طویل اور وجہ کاہشِ جاں ہوتی ہے۔ لیکن انتظار کی صبر آزما گھڑیوں کے بعد کی ملاقات بھی اپنے اندر ایک جداگانہ لذت رکھتی ہے۔ ندیم قاسمی کے الفاظ میں۔

میں جب بھی تجھ سے ملا جیسے پہلی بار ملا
بڑا سرور ملاقاتِ گاہ گاہ میں ہے

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے آپ کے اس "جشنِ سادہ و رنگیں" اجتماع کی تجاویز کاشانۂ فکر سے ابھرنی شروع ہوتی ہیں، میرے حجلۂ تصور کے دیدۂ یعقوبؑ میں عجیب انداز کی یوسفؑ سامانیاں عطر بیز و نور پاش ہونے لگ جاتی ہیں۔ اور میرے منتظرِ بہار، چمنِ آرزو کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ؎

ہوا کے دوش پہ آتی ہے دور کی خوشبو
پرانی یادوں سے دیوار و در مہک اٹھے

اور آپ پیکرانِ خلوص و محبت کے قدموں کی آہٹ، نویدِ جانفزا کی قاصد اور نشیدِ جاں نوازی کی پیغامبر بن کر فردوسِ گوش بنتی ہے تو یہاں کی ساری فضا میں مسرتیں ناچنے لگتی ہیں ـــ اور اس کے بعد آپ

کی آمد — بس یوں کہیے کہ

چمن میں رقص کرتے جب ترے آشفتہ سر آئے
گلوں کا ذکر کیا، کانٹوں کے چہرے بھی نکھر آئے

آباد رہیں وہ راہیں جن کے ذرات آپ کے نقوشِ قدم کی تابانیوں سے، ہر رہرو وادیٔ شوق کیلئے نشانِ منزل بنتے ہیں۔ اور سرشار رہیں وہ فضائیں جن میں آپ کے نفسہائے حیات آفریں تحلیل ہو کر، ہر واماندۂ سفر کے لئے ولولۂ تازہ کے نقیب قرار پاتے ہیں۔ خدا آپ کے جذبۂ عشق کی انقلاب انگیزیوں کو برق آمیز توانائیاں عطا فرمائے کہ انہی سے، اس عہدِ خدا فراموش و خود فروش کی ظلمتوں کے سینے چاک ہوتے ہیں۔

ایک سال کی مسافت

ہمرہانِ وادیٔ شوق! بحمد اللہ کہ ہم بے سروسامانوں کے قافلۂ خاموش پا نے کامل جذب و انہماک سے سرگرمِ سفر رہتے ہوئے ایک سال کی مزید مسافت، بڑے سکون و اطمینان سے طے کرلی۔ یہ سال پاکستان ہی کے لئے نہیں، تمام اقوامِ عالم کے لئے، عجیب ہنگامہ خیزیوں اور شورش انگیزیوں کا سال رہا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ تاریخ انسانیت کے شش ہزار سالہ ہنگامے، جو فضا کی سرمائی چپ در پہ اوڑھے، ساکت و صامت محوِ خواب تھے، زمانے کے تقاضوں کے صورِ اسرافیل سے یک بیک بیدار ہو کر — مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ — فضا کی پہنائیوں سے فرشِ زمین پر آن اترے ہیں اور آتشیں عفاریت کی طرح چیختے، چلاتے، دھاڑتے، غراتے، اطرافِ عالم میں پھیل گئے ہیں۔ اور یہ سیلابِ جہان آشوب کسی کے تھامے نہیں تھمتا۔ جلسے، جلوس، احتجاجات، مظاہرات۔ الزام تراشیاں، دشنام طرازیاں، خشت باریاں، آتش زنیاں، خوں ریزیاں، غارت گریاں، پتھراؤ، گھیراؤ — غرضیکہ کون سا جنائی حربہ تھا جو قصرِ آئین و قوانین کی بنیادوں تک کو ہلا دینے، اور شجرِ تہذیب و تمدن کو جڑ سے اکھیڑ دینے کے لئے اختیار نہ کیا گیا ہو۔ یہ آگ چونکہ عالم سوز تھی، اس لئے خطۂ پاکستان اس سے کس طرح محفوظ رہ سکتا تھا؟ یہ بھی اس کی لپیٹ میں آیا، اور بُری طرح آیا۔ لیکن، بحمد اللہ کہ ہمارا یہ مختصر سا کاروانِ جذب و مستی ان ہنگامہ خیزیوں سے یکسر محفوظ رہا اور کہیں سے اس قسم کی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی کہ بزم ہائے طلوعِ اسلام کے کسی رکن نے ان ہنگاموں میں کسی قسم کا بھی حصہ لیا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ قرآنی تعلیم کا اعجاز ہے جو اس قسم کی عالمگیر شورشوں میں بھی دماغی توازن کھونے نہیں دیتا۔

درجنوں از خود نہ رفتن، کارِ ہر دیوانہ نیست

مبداء فیض کی یہ کتنی عظیم کرم گستری ہے کہ ہمارا یہ کاروانِ شوق، جس سکوت و سکون سے گذشتہ تیس سال سے اپنی منزلیں طے کرتا چلا آرہا تھا، وہ اِن آندھیوں اور جھکڑوں کے طوفان میں بھی اسی سکوت و سکون سے محوِ خرام رہا۔ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں، ہمارے دور کی اس زلزلہ انگیز تاریخ میں یہ انفرادیت صرف آپ کی تحریک کے حصہ میں آئی ہے کہ خارجی ہنگامہ خیزیوں سے، نہ آپ کے قلب مطمئن پر کسی قسم کا ہیجان پیدا ہوا، نہ پائے استقامت میں لغزش آئی۔ کیا ہمارے لئے یہ انفرادیت کچھ کم وجہ ناز ہے کہ ——

بے نالہ می رود جرس کاروانِ ما

میں عزیزانِ من! اس قدر شدت اشتعال میں، آپ کے اس ضبطِ خویش اور انتہائے خروش میں پاسداری گریباں[1] پر آپ کو جس قدر بھی مستحق مبارکباد قرار دوں، کم ہے۔

شرِ مستطیر کی چنگاریاں

البتہ قرآن کریم نے جو کہا ہے کہ وَ يَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا - (۷۶/۷) "مومن اس دور سے خائف رہتے ہیں جس میں شر کی چنگاریاں دور دور تک اڑ کر پہنچ جاتی ہیں"؛ تو یہ چنگاریاں ہمارے ہاں بھی بعض افراد کے سکونِ ذہنی کو تھوڑا بہت متاثر کرگئیں۔ اس کا مظاہرہ، اس تقاضا کی شکل میں ابھرا جو اس سے پہلے بھی کبھی کبھی ایسے احباب کی طرف سے سامنے آیا کرتا ہے جو شدتِ جذبات سے صبر طلبی عشق کے مقابلہ میں بیتابی تمنا[2] سے مغلوب ہو کر کہہ اٹھتے ہیں کہ زمانہ بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے اور ہماری تحریک بڑی سست خرام ہے۔ ہمیں بھی ہنگامی سیاست میں حصہ لینا چاہیئے۔ جب ہمارے پاس نظامِ ربوبیت کا قرآنی پروگرام موجود ہے تو ہم اسے عمل میں لانے کے لئے سیاسی جد و جہد کیوں نہ کریں۔ مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ یہ آواز معدودے چند افراد تک محدود رہی اور دیگر احباب نے انہیں وہیں سمجھا دیا کہ ہماری تحریک کا مقصد قرآنی فکر کی نشر و اشاعت ہے۔ عملی سیاسیات میں حصہ لینا نہ ہمارے پروگرام میں داخل ہے نہ ہم اسے اپنے پروگرام میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارا بے شک یہی مسلک و موقف ہے اور ہم اسی پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ میں اپنے ان دوستوں کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں تو صرف ان کی اپنی بیتابی تمنا اس قسم کے تقاضوں پر مجبور کرتی

---

[1] با چنیں زور جنوں پاسِ گریباں داشتن
در جنوں از خود نرفتن کارِ ہر دیوانہ نیست
(اقبال)

[2] عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک
(غالب)

ہے، انہیں کیا معلوم کہ مجھے عملی سیاست کی نگاہ فریب وادیوں کی طرف کیسی کیسی پُرکشش آوازیں دعوتِ نظارہ دیتیں اور کیسے کیسے معصوم لالچ پھیلا دامن کر بہکاتے ہیں۔ لیکن میرا سرِ نیاز، بدرگاہِ رب العزت سجدہ ریز ہے کہ اس نے مجھے یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ میں ان پُرفریب جاذبیتوں پر قابو پاکر، نہایت خاموشی سے اپنے راستے پر گامزن رہوں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ میں نے جو قرآنی آواز آج سے تیس سال پہلے بلند کی تھی، آج بھی اسی کو دہرا رہا ہوں، ورنہ عملی سیاست کی مصلحت کوشیاں، قدم قدم پر گرگٹ کی طرح رنگ بدلتیں اور ایک ایک سانس میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتی چلی جاتی ہیں۔ اپنے دعوے کی صداقت پر یقینِ محکم اور اس کے حصول کے لئے جو راستہ اختیار کیا جائے، اس پر استقامت یہی قرآن کی رُو سے وہ روش ہے جو انسان کو منزلِ مراد تک پہنچا سکتی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا - تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ وہ لوگ جو قلب و دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس دعویٰ پر مستقل مزاجی سے کھڑے رہتے ہیں، یہی وہ صاحبانِ ثبات و یقین ہیں جن پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ یہ کہتے ہوئے کہ تم نہ کسی قسم کا خوف کھاؤ، نہ افسردہ خاطر ہو۔ اور اس جنت کی بشارت ہم سے لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ - (۴۱/۳۰-۳۱) ہم دنیا میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے رفیق۔ یہ تھیں، برادرانِ گرامی قدر! قرآن کی وہ اطمینان بخشیاں اور یقین افروزیاں جنہوں نے میرے پائے استقامت میں لغزش نہ آنے دی۔ اور میں، اپنی وآں سے بے خبر، اس چراغِ تہِ داماں کی روشنی میں جانبِ منزل رواں دواں رہا، ورنہ راستے کے پری تمثالے، چاہِ بابل سے کم سحر آمیز نہ تھے۔

پاسِ ناموسِ عشق تھا، ورنہ
کتنے آنسو پلک تلک آئے

میں عزیزانِ من! اس مقام پر ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حقیقت کو اور بھی نمایاں طور پر آپ حضرات کے سامنے لاؤں۔ بزمہائے طلوعِ اسلام کے دستورِ اساسی (مطبوعہ مئی ۱۹۶۷ء) کی پہلی شق حسبِ ذیل ہے۔

ہمارا دستورِ اساسی

بزمِ طلوعِ اسلام نہ کوئی سیاسی پارٹی ہے نہ مذہبی فرقہ۔ یہ ایک اجتماعی کوشش ہے اس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جسے ادارۂ طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام میں جو غیر قرآنی تصورات

شامل ہو گئے ہیں انہیں الگ کر کے پھر سے اس نظام کی تشکیل کے لئے فضا سازگار بنائی جائے جو عہد مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ میں قائم ہوا تھا۔

شقِ اول کا اتنا حصہ ہمارے نصب العین کو متعین کرتا ہے۔ اس کا بقایا حصہ اس نصب العین کے حصول کا طریق بتاتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> اس فکر کی نشر و اشاعت کے لئے نہایت پُر امن طریق اختیار کیا جائے گا مثلاً ماہنامہ طلوع اسلام۔ ادارہ کی طرف سے شائع ہونے والے پمفلٹ اور کتابیں۔ پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم اور ان کی تقاریر جو بزموں کے زیر اہتمام مختلف تقاریب پر کی جائیں۔ سنجیدہ انداز میں گفتگوئیں جن میں بحث و جدل کا انداز نہ ہو۔

اس کے بعد ہے:۔

> اگر مقامی طور پر کسی اور طریق کو بھی موثر سمجھا جائے تو ادارہ سے اس کی منظوری لینی ہو گی۔ اصولاً اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس مقصد کے لئے کوئی ایسا طریق اختیار نہیں کیا جائے گا جس میں کسی قسم کی ہنگامہ آرائی یا غوغا پروری پائی جائے۔

دستورِ اساسی کی شق دوم میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ

> کوئی رکن کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا ...... کوئی رکن ایسی بات نہیں کریگا جس سے فرقہ بندی، پارٹی بازی، یا تفرقہ انگیزی کا شائبہ تک پایا جائے ...... یا وہ پاکستان کی آئیڈیالوجی اور اس کے استحکام کے خلاف ہو۔

میں مختلف بزموں کے نمائندوں سے درخواست کروں گا کہ وہ بزم کے اجلاس میں اس دستورِ اساسی کو اپنے سامنے رکھا کریں اور اگر کوئی رکن، اس مقصد اور اس کے حصول کے ان طریقوں سے ہٹ کر کوئی اور تجویز پیش کرنا چاہیں تو انہیں یہ کہہ کر روک دیا جائے کہ یہ تجویز ہمارے دستور کی حدود سے باہر ہے۔ اس قسم کی تجاویز خواہ وہ بظاہر کتنی ہی منفعت بخش اور پرکشش کیوں نہ دکھائی دیں، تحریک کے لئے بڑی مضرت رساں ہوتی ہیں۔ وہ آپ کی توجہات کو اصل مقصد سے ہٹا کر دوسری طرف منتقل کر دیتی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ اصل اسکیم

بروئے کار آتی نہیں اور اپنی منزل کی طرف بڑھنے کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں جب وحدتِ مقصد کے بجائے مختلف مقاصد آپ کے سامنے آنے شروع ہو جائیں تو اس سے لامحالہ اختلاف پیدا ہوگا اور اختلاف کا نتیجہ انتشار اور خلفشار۔ یاد رکھیئے۔ گاڑی ہمیشہ (TRACK) پر چلتی ہے۔ (TRACK) سے ادہر اُدہر ہٹنے کا نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔ اور دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والا تو کبھی ساحلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتا۔

عزیزانِ من! اس سلسلہ میں میں آپ کی توجہ ایک اور گوشے کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آپ

اپنی الگ بستی

کو یاد ہوگا کہ جب ادارہ ابھی کراچی میں تھا تو ایک اسکیم سامنے لائی گئی تھی کہ ہمیں اپنی ایک الگ بستی بسانی چاہیئے جس میں نظامِ ربوبیت کو عملاً متشکل کیا جائے۔ اُس زمانے میں، اس اسکیم پر کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اسکیم نہ صرف ناممکن العمل ہے، بلکہ ایسا کوئی اقدام جس سے ہم باقی مسلمانوں سے الگ ایک گروہ متصور ہوں، قرآن کی رُو سے شرک ہوگا اور ہماری تحریک کے لئے قبر کا گڑھا۔ اس لئے، نہ صرف اس اسکیم ہی کی مخالفت کی گئی بلکہ سخت احتیاط برتی گئی کہ ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جس میں گروہ بندی، فرقہ داری یا پارٹی سازی کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔ یہ اسی شدتِ احتیاط کا نتیجہ ہے کہ ہم کنونشن کے اجتماعات تک میں نماز پڑھنے کا الگ انتظام ہی نہیں کرتے۔ قریب کی مساجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں۔

مجھے اس وقت اس اسکیم کی یاد اسلئے تازہ کرانی پڑی کہ اب بھی کہیں کہیں سے اس کی صدائے بازگشت فضا میں ارتعاش پیدا کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔ اور چونکہ جذباتی اپیل میں بڑی کشش ہوتی ہے، اس لئے سادہ دل بندے اس قسم کی اسکیموں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہماری تحریک اس قسم کی اسکیموں کو عمل میں نہیں لاتی، تو اس پر بے عمل تحریک ہونے کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ یوں اس قسم کی ناممکن العمل، نظری، مقدس (PIOUS) تجاویز آپ کی تحریک کی راہ میں کانٹے بن کر بکھر جاتی ہیں۔

بعض احباب یہ بھی کہتے ہیں کہ طلوعِ اسلام کے دوستوں کو ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک اور

باہمی ہمدردی

شادی غمی میں شامل ہونا چاہیئے۔ اس باب میں تو دو رائیں ہی نہیں ہو سکتیں کہ دوستوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک، اور شادی غمی میں شامل ہونا چاہیئے، لیکن اگر اس سے منشاء یہ ہے (یا یہ اقدام آپ کو اس مقام تک پہنچا دیتا ہے) کہ آپ اپنے دکھ درد اور شادی غمی کو اپنے فکر سے ہم آہنگ احباب ہی تک محدود کر دیں، تو معاف فرمائیے،

اس سے آپ ایک نئے ربوہ کی بنیاد رکھ دینگے۔ اور قرآن کی میزان میں اسے کیا کہا جائے گا، اس کا آپ کو علم ہی ہے۔ اس لئے میں ان احباب سے درخواست کرونگا کہ وہ اس قسم کے جذباتی تصورات سے 'نادانستہ' تباہیوں کے جن عمیق غاروں کی طرف قدم اٹھانے کے مرتکب ہو سکتے ہیں' ذرا ٹھنڈے دل سے ان کا اندازہ ضرور کر لیا کریں' اور یونہی شدتِ جذبات کی رَو میں نہ بہہ جایا کریں۔ اور اصل تو یہ ہے کہ جذبات کی شدت میں بہہ جانیوالی ذہنیتیں قرآنی پروگرام میں فٹ بیٹھ ہی نہیں سکتیں۔

بعض احباب کہتے ہیں کہ یہ مشہور ہونے پر کہ ہم طلوعِ اسلام کی فکر سے ہم آہنگ ہیں' محلہ یا علاقہ کے لوگ ہم سے قطع تعلق کر لیتے ہیں' اور اس طرح ہم یتیم بن کر رہ جاتے ہیں۔ مجھے اس کا علم ہے ــــ اور ملک کے بعض حصے تو ایسے ہیں جہاں یہ قطعِ تعلق انتہائی شدت اختیار کر جاتا ہے ــــ لیکن میں ان احباب کو ہمیشہ یہی مشورہ دیا کرتا ہوں کہ آپ اپنی سیرت اور اخلاق میں ایسی کشش پیدا کریں کہ محلہ یا علاقہ کے شریف النفس طبقہ کے دل میں آپ کی عزت اور احترام پیدا ہو جائے۔ اس سے آپ اپنے ماحول میں یتیم بن کر نہیں رہ جائیں گے۔ قرآن نے ایسے ہی مواقع کے لئے کہا تھا کہ لَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔ (۴۱/۳۴) برائی اور بھلائی دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتیں۔ تم برائی کی مدافعت انتہائی بھلائی کے ساتھ کرو۔ تم دیکھو گے کہ اس سے تمہارے دشمن بھی جگری دوست بن جائیں گے۔ میں اپنے ان احباب سے عرض کروں گا کہ آپ قرآن کے اس نسخہ کو اپنے ہاں استعمال کر کے دیکھیں۔ اسے آپ یقیناً مفید اور کامیاب پائیں گے۔ ہمارے دستورِ اساسی کی شق ۲ (ج) اسی حقیقت کی مظہر ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ

> تحریکِ طلوعِ اسلام کے دو گوشے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارے موجودہ غیر قرآنی معاشرہ کو قرآنی معاشرہ میں تبدیل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس دعوت پر انفرادی طور پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
>
> دوسرا گوشہ یہ ہے کہ افراد کے اندر وہ اچھے اخلاق پیدا ہوں جو قرآن کریم کی تعلیم اور سیرتِ نبی اکرمؐ سے ہویدا ہیں۔ بزم کے ہر رکن کو حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کی سیرت ان اخلاق کی آئینہ دار ہو۔ ہر شخص کے ساتھ خوش معاملگی حسنِ اخلاق کی بنیادی اینٹ ہے۔

مجادلانہ انداز

بعض بزموں کے اجلاس کی روئداد سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ بعض اوقات معاملاتِ زیرِ نظر پر بحث و تمحیص افہام و تفہیم کے بجائے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس قسم کا مجادلانہ انداز، مذہبی مناظروں یا سیاسی اکھاڑوں کا تو ہو سکتا ہے جن تحریک میں نہ معتقدات کی اختلافی جنگ ہو اور نہ مفاد پرستی کی رسہ کشی، اس میں اس قسم کے انداز کا پیدا ہو جانا ناقابلِ فہم سی بات ہے۔ قرآن کریم نے اس قسم کے مجادلانہ انداز گفت و شنید کی وجہ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ بتاتی ہے۔ یعنی ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کا جذبہ - اور اسے مذہبی پیشوائیت کا شعار بنا کر اس کی سخت مذمت کی ہے۔ قرآنی مجالس میں اس قسم کی ذہنیت یا جذبہ کبھی پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔ ذرا سوچئے عزیزانِ من! کہ ہماری مجالس میں کون سے ایسے مسائل زیرِ بحث آتے ہیں جن میں نوبت باہمی مجادلہ تک پہنچ جائے۔ ہم نے اپنی میٹنگز میں سوچنا صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کون سا طریق اختیار کیا جائے جس سے قرآنی فکر کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت ہو سکے۔ پھر اس میں کسی کے لئے کچھ لینے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا اس میں تو ہر ایک نے کچھ نہ کچھ دینا ہی ہوتا ہے۔ علاوہ بریں، بزم میں مختلف عہدہ داریاں بھی نہیں ہوتیں۔ کہ سیاسی پارٹیوں کی طرح، ان کے حصول کے لئے باہمی رقابت شروع ہو جائے۔ اس میں صرف ایک نمائندہ ہوتا ہے جس کے سر پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ اور وہ ان ذمہ داریوں کو دیگر اراکین کی طرح، رضاکارانہ طور پر سرانجام دیتا ہے۔ اندریں حالات، رفیقانِ گرامی قدر! ہماری بزم کے اجلاس ہوں یا ان سے باہر باہمی معاملات، ہمارے آپس کے تعلقات انتہائی یگانگت، محبت، اخلاص اور مؤدت کے ہونے چاہئیں۔ ہم ایک دوسرے سے خندہ پیشانی سے ملیں، شیریں کلامی سے گفتگو کریں، اور قلبی یگانگت اور مؤانست سے رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ کا عملی نمونہ پیش کریں۔ ہمارے دستورِ اساسی میں یہ شق بھی موجود ہے کہ جو صاحب بزم کا رکن بننا چاہیں، ان کے متعلق، علاوہ دیگر امور، اس بات کا بھی اطمینان کر لینا چاہیئے کہ وہ دیگر اراکین بزم کے ساتھ دلی رفاقت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اختلافی معاملات پر بحث و تمحیص کے وقت، اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ

مسئلے ضد سے اُلجھتے ہیں، سُلجھ سکتے نہیں
وہ نہ سمجھیں گے تو اپنے آپ کو سمجھاؤں گا

جہاں تک فیصلوں کا تعلق ہے، آپ کے دستورِ اساسی میں یہ شق بھی موجود ہے کہ

نمائندہ کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ فیصلہ طلب امور میں اراکین بزم سے مشورہ کرے ...... لیکن ہر معاملہ میں آخری فیصلہ نمائندہ کا ہو گا۔ اور اراکین بزم

پر اس فیصلہ کی پابندی لازمی ہوگی۔

جس شخص کو آپ اپنا حَکم تسلیم کر لیتے ہیں، اس کے فیصلوں کی پابندی کی ابتدائی شکل تو یہی ہوتی ہے کہ اسے ایک قانونی پابندی کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ لیکن ہمیں اپنے اندر اس قسم کی تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے کہ ان فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم اس طرح خم کیا جائے کہ (قرآن کے الفاظ میں) ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (۴/۶۵) ان کے خلاف دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی کبیدگی محسوس نہ ہو۔ ہاں، اگر کوئی فیصلہ ایسا ہو جو کسی رکن کے نزدیک، قرآنی ہدایت کے خلاف ہے یا اس کا اثر تحریک کے خلاف پڑتا ہے، تو دستورِ اساسی میں یہ شق بھی موجود ہے کہ اس کے خلاف، ادارہ سے اپیل کی جا سکتی ہے۔

یہ دستور وہ ہے جس کے متعلق، ہر رکن، فارم رکنیت پر دستخط کرتے وقت یہ اقرار کرتا ہے کہ:۔

> میں نے دستورِ اساسی و اصولی ہدایات برائے بزم ہائے طلوعِ اسلام کا مطالعہ کر لیا ہے۔ ان کے مطابق میں بزم کا رکن بننا چاہتا ہوں اور ان پر پابند رہنے کا عہد کرتا ہوں۔

یہ اقرار نامہ رسمی نہیں —— قرآنی آئین میں کوئی قول و اقرار بھی رسمی نہیں ہوتا —— اس کی پابندی شرطِ رکنیت ہے۔ جو رکن اس کی پابندی نہیں کرتا یا کرنا نہیں چاہتا، وہ بزم کا رکن نہیں رہ سکتا —— جسے خود اپنے اقرار نامہ کا پاس نہ ہو، وہ قرآنی راہ نمائی سے کس طرح بہرہ یاب ہو سکتا ہے؟ مومنین کی تو قرآنِ کریم نے خصوصیت یہ بتائی ہے کہ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ (۲۳/۸) وہ اپنی امانات اور معاہدات کی بڑی نگہداشت کرتے ہیں۔

سپاس گذاری

راستہ کی ان خطرناک گھاٹیوں کی نشاندہی کرانے کے بعد، رفقائے محترم! یہ احساس میرے دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے کہ میں آپ کی اُن مساعیٔ جمیلہ کے لئے آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کروں جو آپ کی طرف سے سال بھر میں قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ظہور میں آتی ہیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے، ہماری تحریک سرمایہ داروں کی تحریک نہیں۔ نہ ہی اسے کہیں سے کوئی امداد ملتی ہے —— جو تحریک ہر غلط بات کو غلط کہدے، اور لگی لپٹی بغیر پکار کر کہدے، اُسے اِس زمانے میں امداد کہاں سے مل سکتی ہے؟ ہماری تحریک سے وابستہ حضرات اُس طبقہ سے متعلق ہیں جسے عرفِ عام میں متوسط (یا سفید پوشوں کا) طبقہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اِن نعائے

میں دیانتدارانہ زندگی بسر کرنے والوں کی آمدنی کی محدودیت' اور اشیائے صرف کی ہوشربا گرانی نے اس طبقہ کو قریب قریب ختم کر دیا ہے۔ اب ملک میں عملاً دو ہی طبقے رہ گئے ہیں ـــــ اوپر کا طبقہ جو اُن چند گھرانوں پر مشتمل ہے جن میں دولت اُمنڈ کر آگئی ہے' اور نچلا طبقہ' جو کسی نہ کسی طرح' مرتے کھپتے' زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ ہماری تحریک سے دلچسپی رکھنے والے اس دوسرے طبقہ سے متعلق ہیں ـــ اور قرآنی شہادت کے مطابق' آسمانی انقلاب کی دعوت پر لبیک' سب سے پہلے' ہوتی بھی اسی طبقہ کی طرف سے ہے ـــ لہٰذا' ہمارے ذرائع لامحدود کیسے ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ کا جذبۂ صادقہ اور قابلِ رشک ہمت ہے جو اس قدر حوصلہ شکن حالات میں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر' اس قرآنی دیئے کے لئے تیل' بتی کا انتظام کر رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ احباب کے اس ایثار کی میرے دل میں بڑی قدر ہے اور میزانِ خداوندی میں اس کا بڑا وزن۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہمتوں میں مزید برکت عطا فرمائے۔

درخشندہ نتائج

قرآن کے پیغامِ انقلاب آور کی نشر و اشاعت کے لئے' آپ کی سالہا سال کی نہایت خاموش اور (بظاہر) بڑی سست خرام جدوجہد نے کیا نتائج پیدا کئے ہیں' اس کا تصور ہم خود بمشکل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم' پانی کے اندر غوطہ زن ہیں اس لئے اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ہم کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں۔ اس کی بابت اُس سے پوچھنا چاہیئے جو ندی کے کنارے کھڑا سب کچھ دیکھ رہا ہو۔ وہ ہمیں بتائے گا کہ جب ہم نے آج سے تیس سال پہلے یہ آواز بلند کی تھی تو ہمارے ہاں قرآن کریم کا مصرف' تلاوت برائے حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ لیکن آج ہر طرف سے آپ کو یہ آواز سنائی دے گی کہ قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ ہدایت ہے جو ہر زمانے میں' اور انسانی زندگی کے ہر گوشے میں' نوعِ انسانی کا خضرِ راہ بن سکتا ہے۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں' رفیقانِ محترم! کہ اتنے مختصر سے عرصہ میں' جو قوموں کی زندگی میں لمحہ بھر سے زیادہ نہیں' اس بے سروسامانی کے باوجود' ایک پورے ملک ہی میں نہیں' بیرونِ ملک تک کی فضا میں اس قدر انقلاب پیدا کر دینا' کچھ کم کامیابی ہے؟ میں تو' عزیزانِ من! جب اس تبدیلی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو والہانہ طور پر میری کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ

مری نگاہ نے جھک جھک کے کر دیئے سجدے
جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا

اور میں تو' بکمالِ عجز و نیاز' بطور تحدیثِ نعمت' یہاں تک کہنے کی بھی جرأت کر سکتا ہوں کہ صدرِ اوّل

کے بعد، ہماری تاریخ کے کسی دور میں بھی خالص فکرِ قرآنی کا اس قدر عالمگیر چرچا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ کیا آپ، محبانِ گرامی قدر! اپنی اس سعادت کو وجہِ صد ناز و باعثِ ہزار افتخار نہیں سمجھتے کہ جب میدانِ محشر میں، حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم، بدرگاہِ ایزدی، یہ لرزہ انگیز شکایت کریں گے کہ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ (۲۵/۳۰)۔ "اے میرے نشوونما دینے والے! یہ ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو ایک شے مہجور بنا کر رکھ چھوڑا تھا" تو آپ کا شمار اُس قوم میں نہیں ہوگا جس کی طرف حضورؐ کی انگلی اُٹھے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی ہزار کامرانیاں اور سرفرازیاں اس ایک استثناء پر نثار کی جا سکتی ہیں۔

لہٰذا، برادران! آپ ان تمام ہنگامہ خیزیوں اور شورش انگیزیوں سے صرفِ نظر کر کے، اپنی ان خاموش سرگرمیوں میں، اس یقینِ محکم کے ساتھ منہمک رہیں کہ اس وقت ساری دنیا میں صرف آپ کی یہ مختصر سی جماعت ہے جو پیغامِ خداوندی کو اس کے بے درد و صافات کو، شفاف اور ہر رنگ پیمانوں میں پیش کر رہی ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ فضائے عالم میں مخالف ہوائیں جس جس سمت کو چل رہی ہیں، میں ان سے بے خبر ہوں! یالات و منات زمانہ جن نئے نئے لباسوں میں بھیس بدل کر وجہِ رہزنیٔ ملت بیضا بن رہے ہیں، وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ بالکل نہیں۔

رہا ہوں رند بھی اے شیخ! پارسا بھی میں
مری نگاہ میں ہیں رند و پارسا ایک ایک

اور اس قسم کے مناظر بھی میرے سامنے رہتے ہیں کہ

گریباں میں ہیں، اور کچھ پھول بالوں میں سجائے ہیں
چمن کو لوٹنے والے گلستاں بن کے آئے ہیں

لیکن میں جوں جوں ان تحریکات کا مطالعہ اور اس قسم کے غارتگرانِ دین و دانش کا مشاہدہ کرتا ہوں، میرا یہ یقین محکم سے محکم تر ہوتا چلا جاتا ہے کہ جس راستے پر ہم گامزن ہیں، وہی فلاح و فوزِ انسانیت کی راہ ہے اور یہی وہ یقینِ محکم ہے جس کی بنا پر میں آپ احباب سے گزارش کروں گا کہ آپ اپنی مساعی کو نہ صرف بحال رکھیں بلکہ انہیں اور بھی تیز کر دیں، بالخصوص اس لئے کہ مذہبی پیشوائیت کی سرکتِ مذہبی سے فضا میں جو تکدر اور انتشار پیدا ہو رہا ہے اس سے، نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب کی طرف سے اور بھی زیادہ متنفر ہوتا جا رہا ہے۔ اور چونکہ صحیح اسلام (جو قرآن کے اندر ہے) ان کے سامنے لایا نہیں جا رہا اس لئے ڈر ہے کہ جس طرح مغربی ممالک میں ہوا ہے یہ طبقہ کہیں دہریت کے آغوش میں

نہ چلا جائے۔ بنابریں آپ احباب کی ذمہ داری اس وقت اور بھی زیادہ شدید ہو گئی ہے۔ اس وقت ذرا سی سہل انگاری معلوم منزل کو کتنی دور لے جائے۔

افسردگیٔ سوختہ جاناں ہے قہرِ میرؔ
دامن کو ٹک ہلا کہ بجھی ہے دلوں کی آگ

طلوعِ اسلام کالج

گذشتہ کنونشن پر آپ حضرات نے ایک عزم کیا جو بفضلِ ایزدی بڑا ہی راسخ ثابت ہوا۔ آپ نے طے کیا تھا کہ طلوعِ اسلام کالج کے قیام کے سلسلہ میں خصوصی کوششوں سے کام لیا جائے گا اور جب تک یہ اسکیم پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے گی آپ اطمینان سے نہیں سو سکیں گے۔ آپ کے اسی عزمِ بلند کا نتیجہ تھا کہ اس اسکیم نے ایک نئی کروٹ بدلی اور اس ایک سال میں اس سے ایسے محیّر انگیز نتائج برآمد ہوئے جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تفصیل ان امور کی محترم سیکرٹری صاحب قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی اپنی رپورٹ میں آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ آپ کی ان مساعیٔ جمیلہ اور ان کے اس قدر درخشندہ نتائج نے میری عمر کس قدر بڑھا دی ہے، میں اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس سے میری ذات درمیان میں آجاتی ہے۔ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرے تصور کی درسگاہ کا قیام، وقت کی ایک اشد ضرورت پوری کرنے کا نہایت اہم ذریعہ ہے ـــــ ایسا اہم کہ اس کے بغیر وقت کا وہ تقاضا، جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے، کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ عزیزانِ من! وقت کا دھارا بڑی تیزی سے بہہ رہا ہے۔ وہ انقلابات جو اس سے پہلے کہیں صدیوں میں جا کر رونما ہوا کرتے تھے، اب شب و روز کا کھیل بن کر رہ گئے ہیں۔ (علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں) جہاں اس قدر دگرگوں اور ستاروں کی گردش ایسی تیز ہو رہی ہے اور دلِ ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز اس شدت سے ہنگامہ خیز ہے کہ بڑے سے بڑے مدبر کی دور رس نگاہ بھی یہ نہیں دیکھ سکتی کہ کل کیا ہوگا۔ تغیرات آندھیوں کی طرح آرہے اور جھکڑوں کی طرح جا رہے ہیں۔ یہ انقلاب آفرینیاں اس قدر عالمگیر ہیں کہ دنیا کا کوئی خطہ بھی ان کی زد سے محفوظ نہیں۔ خود ہمارے ہاں دیکھئے کہ اضطراب انگیز فسادات کے ہوش فراموش جنونی رقص نے کس طرح ملک کے امن و

قدیم و جدید کا تصادم

سکون کو نذرِ آتش کر دیا ہے۔ یہ شعلے اب بھی بجھے نہیں بلکہ وقت کی خاکستر کے نیچے دب گئے ہیں ـــــ یہ رقص درحقیقت آئینہ ہے اس تصادم کا جو اس وقت قدیم اور جدید میں ہر جگہ برپا ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ

زمانے کے انداز بدلے گئے نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

قدامت پرستی کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اس کے (بظاہر) ایسے ایسے بڑے بڑے شاہ بلوط، اس جھکڑ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتے۔ وہ ان عالمگیر طوفانوں کا مقابلہ کر نہیں سکتے۔ فطرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ جو شئے زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی، زمانے کے تقاضے اُسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں۔ یہی ہوتا چلا آیا ہے، یہی اب ہو کر رہے گا۔ لیکن اس طرح کے بے ہنگم تصادم سے ہوتا یہ ہے کہ جو درخت جڑ سے اُکھڑتا ہے وہ زمین میں گڑھا پیچھے چھوڑ آتا ہے۔ اس کی جگہ پُر کرنے کے لئے کوئی نیا پودا وہاں نہیں اُگتا۔ یہ اسلئے کہ جسے ہم جدید کہتے ہیں وہ صرف قدامت پرستی کے جمود کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ غلط کی جگہ صحیح اور باطل کی جگہ حق لانے کا تعمیری منصوبہ نہیں ہوتا۔ اس وقت آپ دیکھئے۔ جدید کے پاس شورشیں ہیں۔ ہنگامے ہیں۔ تخریب ہے۔ فسادات ہیں لیکن اس کے پاس غلط اور صحیح کا کوئی مستقل معیار نہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ایک قسم کے باطل کی جگہ دوسری قسم کا باطل آجائے گا۔ باطل کو مٹا کر اس کی جگہ حق کا نظام قائم کرنے کا کام صرف قرآن کریم میں عطا کردہ مستقل اقدار کی رُو سے ہو سکتا ہے۔ میری نگاہ عزیزانِ محترم! اس آنے والے تصادم کو دیکھ رہی تھی۔ اسی کے لئے میں نے قرآنی فکر کی تحریک کی بنیاد رکھی تھی کہ اگر ہم اس تصادم کے پیدا کردہ خلا کو عالمگیر حیثیت سے پُر نہ بھی کر سکیں تو کم از کم ایک خطۂ زمین تو ایسا ہو جسے ہم زمانے کی ان تلاطم انگیزیوں میں کشتی انسانیت کے لئے روشنی کا مینار بنا سکیں۔ اس تحریک کی ایک اہم کڑی ایک ایسی درسگاہ کا قیام ہے جس میں ہم اس قسم کے نوجوان طالب علم تیار کر سکیں جن کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ۔ (۶/۱۲۲)۔ وہ شمع قرآنی کو لے کر دنیا میں پھریں گے اور اس کی تاریکیوں کو اُجالے میں تبدیل کر دیں گے۔

اس مقام پر رفیقانِ محترم! میں ایک اور حقیقت کو بھی دہرا دینا چاہتا ہوں جسے میں نے ضمنی طور پر، اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ پیش کیا ہے۔ لیکن آج میں اسے زیادہ واضح الفاظ میں ابھار کر سامنے لانا چاہتا ہوں کہ

سینہ صافم، قلندرم، مستم
رازِ خود را نہاں نمی گویم

اور وہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے کسی ایسے خطہ اور کسی ایسی قوم میں اسلام کا احیاء نہیں ہو سکیگا جہاں مذہبی پیشوائیت ایک مؤثر عنصر کی حیثیت سے موجود ہو۔ یہ میرا کوئی جذباتی اِدعا نہیں، دلیل و برہان پر مبنی حقیقت ہے۔

مذہبی پیشوائیت اور اسلام

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری نئی نسل کو ایسی اصطلاحات سے بہلایا نہیں جا سکتا جن کا دو ٹوک، متعین، صاف اور واضح، ٹھوس مفہوم آپ ان کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ لیکن صورت یہاں یہ ہے کہ اسلام کو ایک مبہم اصطلاح کے طور پر صدیوں سے پیش کیا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ اصطلاح اب اپنی کشش ہی کھو چکی ہے۔ آج بھی اسلامی نظام، اسلامی اندازِ زندگی، اسلامی معاشرت، اسلامی معیشت، اسلامی حکومت جیسے الفاظ جس شد و مد سے دہرائے جاتے ہیں، ان کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن ان اصطلاحات کا کوئی متعین، دو ٹوک مفہوم کسی طرف سے بھی پیش کیا جاتا ہے؟ مذہبی پیشوائیت اس قسم کا مفہوم پیش کر ہی نہیں سکتی ـــــ وہ ایسا کرنا ہی نہیں چاہتی۔ اسلئے کہ یہ لوگ بالمقصد ایسی پوزیشن رکھنا چاہتے ہیں جس میں جس وقت یہ کسی بات کو چاہیں اسلامی قرار دے دیں، جس وقت چاہیں اس پر خلافِ اسلام ہونے کا فتوےٰ صادر فرما دیں۔ اگر اسلام کا متعین اور دو ٹوک مفہوم سامنے آجائے تو ان کا یہ اختیار و اقتدار ختم ہو جاتا ہے۔ دین کا متعین مفہوم صرف خدا کی کتاب پیش کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اس کتابِ عظیم کو امت کے سامنے نہیں آنے دیتے۔ اب موجودہ تصادم میں ہوگا یہ کہ یہ حضرات اسی قسم کی مبہم اور غیر متعین باتوں سے نوجوانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے لیکن موجودہ دور کا ذہن ان بہلاووں اور بہکاووں سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے برگشتہ ہوتا چلا جائے گا۔ انہیں سنبھالنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انہیں تعلیم اس قسم کی دی جائے جس سے دین کا متعین مفہوم، اس کا واضح مقصدِ عرصۂ حیات میں اس کا صحیح مقام، اور اسکے نظام کے محسوس نتائج، دو اور دو چار کی طرح، ان کے سامنے آجائیں۔ ہمارے پیشِ نظر جس درسگاہ کا قیام ہے، اس کے نظامِ تعلیم کی عمارت انہی بنیادوں پر استوار ہوگی۔ اس سے رفیقانِ گرامی قدر! آپ اپنے مجوزہ کالج کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، اور اس امر کا بھی کہ اس کے قیام میں تاخیر کسقدر ناقابلِ تلافی نقصان کا موجب ہوگی۔ بنا بریں، میری آپ سے التجا ہے کہ آپ اس مرتبہ یہاں سے اٹھیے تو جھولیاں لیکر، شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ، کوچہ بہ کوچہ، آستاں بہ آستاں چل نکلیے۔ اور واپس اس وقت لوٹیے جب آپ اس کالج کے افتتاح کا انتظام کرنے کے قابل ہو جائیں۔ عمر کے اس آخری حصہ میں میری سحر گاہی دعائیں آپ کے شاملِ حال ہونگی۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

حرفِ آخر

آخر میں، میں آپ کی توجہ اُس بنیادی اصولِ حیات کیطرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جسے اقبالؒ نے اُس قطعہ میں بیان کیا ہے جس سے میں نے اس خطاب کا آغاز کیا تھا۔ یعنی یہ کہ —— اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است ؛ بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست ——

اور یہ درحقیقت اعادہ ہے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا کہ مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْن۔ جس کے دو دن ایک ہی جیسے گذر جائیں وہ سخت نقصان میں رہا —— زندگی کی کیفیتیں دو ہی ہیں —— یا آگے بڑھنا' یا پیچھے ہٹنا —— جسے جمود' یا ایک مقام پر کھڑے رہنا' سمجھا جاتا ہے وہ درحقیقت رجعت قہقری (پیچھے ہٹنا) ہوتی ہے' اس لئے کہ اس اثناء میں زمانہ آگے بڑھ چکا ہوتا ہے' اور آپ اپنے مقام پر کھڑے رہ کر صفِ زمانہ سے پیچھے رہ گئے ہوتے ہیں۔ ایک مقام پر جامد' مردہ رہتا ہے۔ زندہ انسان ایک مقام پر نہیں رہ سکتا۔ بنابریں' رفیقانِ محترم! آپ جب یہاں جمع ہوں تو آپ کو اس امر کا جائزہ لینا اور اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ آپ کا قدم' سالِ گزشتہ کے مقابلہ میں آگے بڑھا ہے یا نہیں۔ اگر آگے بڑھا ہے تو آپ کا شمار زندوں میں ہوگا ورنہ ہم نفس شماری کو زندگی سمجھ کر اپنے آپ کو دھوکے میں رکھیں گے۔ خدا کرے کہ ہم خود فریبی کے اس ابلیسی پھندے میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اسے اچھی طرح سمجھ رکھیئے کہ —— حیات' ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں —— اور آپ کی تو منزل ہی بہت دور ہے۔

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی
نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
بڑھے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی!

والسلام

اسلام خطرے میں ہے

بیس کنال رقبہ میں تعمیر شدہ' ایک وسیع و عریض' عالیشان بنگلہ کے نوکر گھروں کے ایک تنگ و تاریک کمرہ میں' سردیوں کی ایک کپکپاتی رات' ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سخت جاڑا لیکن کمرے میں آگ تک روشن نہیں۔ گرم کپڑے ماں کے پاس نہیں تو بچے کے لئے کہاں سے آتے۔ ماں اسے چیتھڑوں میں لپیٹ کر چھاتی کے ساتھ لگا لیتی ہے کہ اسے کچھ حرارت پہنچے۔ وہ بھوک سے روتا ہے لیکن مسلسل فاقوں سے ماں بیچاری کے دودھ کے چشمے سوکھ چکے ہیں۔ بمشکل دو چار گھونٹ دودھ بچے کو مل سکا۔ وہ بلک رہا ہے۔ غمزدہ ماں کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں۔ باپ ماتھے پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے کہ پہلے ہی گذارہ مشکل تھا اب اس مزید ذمہ داری کا بوجھ کیسے اٹھایا جا سکیگا۔

اسی آن' سامنے بنگلہ کے ایک برق پاش کمرہ سے بھی ایک نومولود کے رونے کی پہلی آواز سنائی دیتی ہے ۔۔ ایک چھوڑ' دو دو لیڈی ڈاکٹرز زچہ کے سرہانے۔ کئی نرسیں۔ کمرہ میں ہر قسم کا سامان۔ اعلیٰ درجہ کے نرم اور گرم کپڑے۔ دودھ پلانے کو انائیں ۔۔ اور بطور حفظ ماتقدم ولایتی دودھ کے ڈبے۔ وٹامنز کی شیشیاں اس پر مستزاد۔ چاروں طرف سے' مبارکبادیاں۔ شہنائیوں۔ مٹھائیوں کی چہل پہل ہے۔ مولوی صاحب بچے کے کان میں اذان دینے کے لئے تشریف لائے تو ایک سو ایک روپیہ نذرانہ پیش کیا گیا۔ عقیقہ ہوا تو کتنے بکرے ذبح کئے گئے۔ ختنہ کی تقریب پر شہر بھر کے امراء کی دعوت ہوئی۔

اس دوران' نوکر گھر کے تنگ و تاریک کمرے میں پیدا ہونے والا بچہ' بدستور کپڑوں کے لئے ترستا اور دودھ کے لئے بلکتا رہا۔

کیا کسی بڑے سے بڑے دانشمند کی منطق بتا سکتی ہے کہ اس غریب (مالی) کے بچے نے کیا جرم کیا تھا جس کی اُسے یہ سزا مل رہی ہے' اور اُن خان صاحب کے صاحبزادے نے کون سا تیر مارا تھا جسکے

صلہ میں اسے یہ تمام آسائشیں میسر ہیں؟ برہمن نے اس کی یہ (ابلہ فریب) توجیہہ وضع کر لی کہ یہ ان کے پچھلے جنم کے کرموں (اعمال) کا نتیجہ ہے ـــــ اس توجیہہ کی بنیاد غلط سہی، لیکن اس سے (کم از کم) منطقی نتیجہ تو مترتب ہو جاتا ہے! لیکن جو لوگ اس توجیہہ کو غلط قرار دیتے ہیں ان کے پاس اس کا، اس کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا کہ یہ سب خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ اس نے جسے جیسا چاہا بنا دیا اور جس حالت میں چاہا رکھا۔ اس میں کسی کے لئے دم مارنے کی جا نہیں۔

وہ یہ جواب دے کر مطمئن ہو گئے لیکن انہوں نے کبھی سوچا بھی کہ اس سے خود خدا کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوا؟ لیکن انہیں اس سے کیا غرض! لیکن ان کے اس جواب سے خدا کا جس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے، جو شخص اسے زبان پر لانے کی جرأت (یا حماقت) کر بیٹھے، اس کے لئے احتساب کا ڈنڈا اور فتویٰ کا کوڑہ موجود ہوتا ہے۔

ـــــــــــ (۰) ـــــــــــ

پہلے تنہا مالی کام کرتا تھا۔ اب اس کی بیوی نے بھی محنت مزدوری شروع کر دی تاکہ کسی طرح روٹی کا دھندا چل سکے۔ اس دوران میں، بچہ، رینگتے گھسٹتے چار پانچ سال کا ہو گیا۔ انہوں نے کسی نہ کسی طرح، اپنا پیٹ کاٹ کر بچے کو اسکول میں داخل کرا دیا۔ یہ صبح، پھٹے ہوئے (پیوند لگے) کپڑوں میں ملبوس، بھوکا اسکول جاتا۔ وہاں اپنے ماں باپ کی مفلسی اور ناداری کے جرم کی پاداش میں، اپنے ہم مکتبوں کے حقارت آمیز طعنوں کا شکار، اور ماسٹر صاحب کے ڈنڈے کا ہدف بنتا۔ اس کے باوجود وہ ہمیشہ جماعت میں اوّل یا دوم آتا رہا۔

اُدھر خان صاحب کا صاحبزادہ چیفس کالج میں داخل ہوا۔ نوکر چاکر حلقہ بند، سواری کے لئے باہر موٹر، کالج میں گھوڑا۔ زرق برق پوشاک۔ اعلیٰ درجے کے کھانے۔ رہنے سہنے کی ہر قسم کی آسائش۔ نہ کسی چیز کی کمی۔ نہ کسی بات کی محتاجی۔ اس نے پانچ سات برس انہی عیش سامانیوں میں گزارے۔ عمر بڑھی تو مشاغل کی نوعیت میں فرق آ گیا۔ ان کے لئے کالج کی فضا سازگار (یا کافی) نہیں تھی۔ کالج چھوڑ دیا۔ ولایت چلا گیا۔

مسلسل محنت۔ خوراک کی کمی۔ آرام کا فقدان۔ پریشانیوں کی بھرمار۔ مالی دن بدن کمزور ہوتا چلا گیا اور اس کے بعد بیمار پڑ گیا۔ گھر میں کھانے کے لئے نہیں تھا۔ علاج کے لئے پیسہ کہاں سے آتا۔ وہ مختلف ہسپتالوں کے برآمدوں میں ایڑیاں رگڑتا رہا کہ کہیں داخلہ مل جائے۔ لیکن پیسے کے بغیر داخلہ کیسے مل سکے۔ بالآخر ایک دن ہسپتال کے برآمدے ہی میں جان توڑ دی ـــــ ایک نامراد بیوہ۔ دو یتیم لڑکیاں،

اور ایک معصوم لڑکا (جو اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا) "ورثہ" میں چھوڑے ۔ گھر میں دو چار برتن تھے ۔ انہیں بیچ کر تجہیز و تکفین اور درود فاتحہ کا انتظام کیا ۔ لوگ مرحوم کو دفن' اور اسکی عاقبت بخیر ہونے کی دعا کرکے' اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے' اور بیس لاکھ کی آبادی میں سے کسی نے اتنا نہ پوچھا کہ اب اس بیوہ اور اس کے یتیم بچوں کی زندگی کیسے گزریگی ! بڑی مشکل سے خانصاحب نے اتنا کرم کیا کہ انہیں کچھ دنوں تک کے لئے کمرے میں رہنے کی اجازت دے دی ۔ اب مائی کے لڑکے کو' ماں کے ساتھ مل کر محنت مزدوری بھی کرنی پڑتی تھی ۔ اس کے باوجود اس نے پڑھائی جاری رکھی ۔

دو ایک ماہ گزرے تھے کہ ایک رات' اچانک خانصاحب کا انتقال ہوگیا ۔ (بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا) ۔ پانچ لاکھ کی انشورنس پالیسی ۔ کئی مربعے اراضی ۔ متعدد کوٹھیاں ۔ دو ملیں ۔ نقدی ۔ زیورات ۔ موٹریں ۔ ترکہ میں چھوڑیں ۔ صبح کو صاحبزادہ صاحب ان سب کے مالک تھے ۔۔۔ ان پڑھ ۔ اوباش عیاش ۔ جس میں ایک پیسہ کمانے کی صلاحیت نہیں' اس کا شمار ملک کے بیس دولت مند خاندانوں میں ہو گیا ۔۔۔ سرکار دربار میں ہر طرح کی عزت ۔ حاکم ۔ افسر' ہر شام اس کی کوٹھی پر ۔ دور دور تک شہرت ۔ دو چار غنڈوں کے پشتیبان بنے ۔ ایک دو سیاسی لیڈروں کے دوروں کے اخراجات کا ذمہ لیا ۔ پھر ڈر کاہے کا ؟ جسے چاہا لٹوا دیا ۔ جسے چاہا پٹوا دیا ۔ اس کی لڑکی نکلوا دی ۔ اس کی بہن اغوا کرا دی ۔ قانون کے ہاتھ کو رشوت نے مفلوج کر رکھا تھا ۔ اس لئے یہ اس کی گرفت سے مامون تھے ۔ باقی رہی معاشرہ کی انگشت نمائی ۔ سو اس کے لئے ہر جمعرات کی شام داتا دربار کی حاضری ۔ محلہ کی مسجد کے امام صاحب کی تنخواہ ۔ مسجد میں قالین ۔ پنکھے ۔ برف ۔ آئے دن نذر نیاز کی دیگیں ۔ اولیا کرام کے عرس ۔ پیشہ ور گداگروں کے لئے صدقہ خیرات ۔ کاروباری یتیم خانوں کے لئے چندہ ۔۔۔ اور پھر' لندن سے واپسی پر سرِ راہے حج اور عمرہ ۔ ۔۔۔ اس کے بعد' جو ان کے خلاف انگلی اٹھائے' یہ پورا لشکر اس کی آنکھ نکالنے کے لئے تیار ہو جائے ۔

———— (۰) ————

مائی کے لڑکے نے' دو سال کی کوشش کے بعد میٹرک کر لیا ۔ ویسے تو فرسٹ ڈویژن مل گئی لیکن کالج میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ۔ نوکری کی تلاش شروع ہوئی لیکن جس کے پاس نہ رشوت کے لئے پیسہ ، نہ سفارش کے لئے رسائی ہو' اسے نوکری کہاں سے مل جاتی ۔۔۔ ایک ایک دروازے پر دستک دی ۔ ایک ایک آستاں پر ٹھوکریں کھائیں ۔ لیکن دھکوں کے سوا کہیں سے کچھ نہ ملا ۔ چھ ماہ کی سڑک پیمائیوں کے بعد' ایک دفتر میں چپراسی کی جگہ ملی ۔ جگہ چپراسی کی لیکن کام' صاحب کی موٹر صاف کرنے کا ۔ ضعیف اور بیمار ماں ۔ دو بہنیں جن کی عمر اب شادی کے قابل ہو گئی تھی ۔ ان کی ذمہ داری ۔

اور ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ ـــــ ہر مہینہ کی یکم کو جب اسکی ہتھیلی پر ساٹھ روپے رکھ دیئے جاتے، تو دفتر والے مطمئن ہو جاتے کہ انصاف کا تقاضا پورا ہو گیا ہے۔ جو کچھ اس کا واجب تھا اسے ادا کر دیا گیا ہے ـــ یہ دیکھنا کسی کی ذمہ داری نہیں تھی کہ اس ساٹھ روپے میں، ان چار نفوس کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانے کو سوکھی روٹی بھی میسر آسکتی ہے یا نہیں! یہ دیکھنا کسی کی ذمہ داری نہیں تھی۔

یہ لڑکا بچپن سے نماز روزے کا پابند تھا۔ جمعہ کے خطبہ میں خطیب عام طور پر دہراتا کہ خدا کی ایک صفت رزاق بھی ہے۔ وہ جسے پیدا کرتا ہے اس کے رزق کی ذمہ داری بھی لیتا ہے ـــ وہ یہ سنتا تو جی ہی جی میں سوچتا کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اپنی مخلوق کے رزق کی ذمہ داری خدا نے اپنے سر لے رکھی ہے تو ہم بھوکے کیوں مر رہے ہیں! ہمارے معاملہ میں خدا کی یہ ذمہ داری پوری کیوں نہیں ہوتی؟ کیا ہم اس خدا کی مخلوق نہیں جو اپنی مخلوق کے رزق کا ضامن ہے؟ اس کے دل میں رہ رہ کر یہ سوالات اٹھتے لیکن اسے ان کا کوئی جواب نہ ملتا۔ وہ مولوی صاحب سے پوچھتا تو وہ اسے خشمگیں آنکھوں سے گھور کر دیکھتے اور یہ کہہ کر چپ کرا دیتے کہ اس قسم کے سوال کرنا اللہ رب العالمین کی شان میں گستاخی ہے۔ وہ آقا ہے ہم اس کے غلام ہیں۔ وہ مالک ہے ہم اس کے بندے ہیں۔ وہ جسے جس حالت میں چاہے رکھے۔ بندوں اور غلاموں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ آقا اور مالک سے اس قسم کے سوال کریں۔ خدا اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ یہ دنیا لاشی ہے اور اس کے چاہنے والے کتے۔ یہاں کے دولت مندوں کے لئے یہ چند روزہ مال و متاع ہے۔ عاقبت کا گھر غریبوں اور محتاجوں کے لئے ہے ـــ مولوی صاحب ان مواعظِ حسنہ کے بعد خوش ہو جاتے کہ ہم نے "مسئلہ سمجھا کر" اسے خاموش کر دیا ہے۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس کے سینے کی یہ آتش خاموش اندر ہی اندر، کس کس چیز کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بناتے چلی جا رہی ہے، اور آخر الامر یہ ایک دن کیسا شعلۂ جوالہ بن کر بھڑک اٹھنے والی تھی۔ لیکن مولوی صاحب کو یہ کچھ سوچنے کی نہ ضرورت تھی نہ فرصت۔ انہیں تو بلا محنت کئے سب کچھ ملتا تھا۔

(۰)

اس لڑکے کی ماں کا والد فوت ہو گیا تو ترکہ میں ایک مختصر سا مکان چھوڑ گیا جو اس کے حصہ میں آیا۔ وہ خوش تھی کہ اب کچھ آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور عند الضرورت اسے فروخت کر کے، جوان لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کر سکوں گی۔ لیکن مکان میں جو کرایہ دار بستا تھا اس نے اُسے کرایہ دینے سے انکار کر دیا۔ غریبوں اور بے کسوں کا یہ خاندان حیران تھا کہ یہ کیا ہوا؟ وہ مکان کا کرایہ کیوں نہیں دیتا تھا؟ انہوں نے اِدھر اُدھر لوگوں سے ہمدردی کا واسطہ دے کر اسے کہلوایا کہ وہ یا کرایہ ادا کرے، یا مکان چھوڑ دے لیکن

وہ کوئی چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ اس نے صاف جواب دے دیا ــــ اور لوگ بھی خاموش ہو کر بیٹھ گئے کہ اس غنڈہ سے خواہ مخواہ کا بیر کیوں مول لیں! اب اس بڑھیا کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے ــــ ایک وکیل سے مشورہ کیا۔ اس نے (خدا واسطے کام کرنے کا وعدہ کر کے) سو روپے کا ابتدائی خرچ بتا دیا۔ اس نے کہیں سے قرض اٹھا کر سو روپے دے دیئے ــــ دیوانی عدالت کا مقدمہ۔ تین سال ہونے کو آئے۔ ابھی پہلی پیشی سے بات آگے نہیں بڑھی ــــ اب نہ اس بیچاری کی بات وکیل سنتا ہے، نہ وکیل کی شنوائی جج صاحب کی عدالت میں ہوتی ہے ــــ جب تک اہلمدوں اور ناظروں کو راضی نہ کیا جائے، باب عالی تک رسائی اور شنوائی کیسے ہو؟ ایک دفعہ کوئی نیک دل، خدا ترس تحصیلدار آ گیا۔ وکیل صاحب نے کسی طرح بات ان تک پہنچائی تو اسے اس بیچاری کی حالتِ زار پر رحم آ گیا۔ اس نے اس غاصب سے مکان خالی کرانے کا کچھ بندوبست کیا۔ اُس بدمعاش نے اس کے خلاف دو چار جھوٹی درخواستیں دلوا دیں۔ مکان تو کیا خالی ہونا تھا، اُلٹی اس بیچارے کے خلاف انکوائری شروع ہو گئی ــــ فراست شناس، دیانتدار، شریف النفس، خدا ترس، منصف مزاج افسر ہمیشہ اپنے ہم عصروں کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ اور وہ اس موقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اس خارِ پہلو کو نکال باہر کیا جائے۔ لہٰذا اس قسم کی شکایتوں کو سچا ثابت کرنے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں تاکہ اسے اپنے دیانتدار ہونے کی سزا ملے اور اسی قسم کے دوسرے دیانتدار اس سے عبرت پکڑیں۔ غنیمت ہے کہ تحصیلدار صاحب سستے چھوٹ گئے اور بات تبدیلی سے آگے نہ بڑھی۔ وہ متبدیل ہو گئے اور اس غاصب کا قبضہ مخالفانہ برحق ہو گیا۔

اب وہ کرایہ دار صاحب، مکان پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، اور مکان کے مالک بیٹھے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ وہ بڑھیا بیچاری! اب اس فکر میں ہے کہ کہیں سے پانچ روپے مل جائیں تو وہ جنانی بابا سے تعویذ لائے جس سے (اس کی پڑوسن کے کہنے کے مطابق) وہ بدمعاش کرایہ دار مجسم ہو جائیگا۔

(۰)

لڑکیاں جوان ہو کر (یوں کہئے کہ) بوڑھی ہو رہی تھیں اور ان کے لئے کہیں سے پیغام نہیں آتا تھا۔ ان کی جھگی کے قریب ایک نوجوان لڑکا رہتا تھا ــــ کسی مل میں مستری ــــ اس نے اپنی شرافت کا سکہ جما کر ان کے گھر میں آنا جانا شروع کر دیا۔ بڑی لڑکی سے اس کی شادی ہو گئی۔ شادی کے کچھ دنوں بعد وہ اچھی ملازمت کے بہانے کسی دوسرے شہر چلا گیا اور بیوی کو بھی ساتھ لے گیا۔ ایک عرصہ تک ان کی طرف سے خیر خیریت تک کی اطلاع نہ آئی۔ یہ بیچارے بہت پریشان تھے جس شہر کا وہ کہہ کر گیا تھا، وہاں اس کا کوئی اتا پتہ نہ تھا۔ ایک دن ایک عورت آئی اور اُس لڑکی کا یہ خفیہ پیغام لائی کہ میرا خاوند

بُری عادتوں کا شکار ہو گیا ہے۔ مجھے اس نے قید کر رکھا ہے اور بات بات پر میری ہڈیاں توڑتا ہے۔ مجھے کسی طرح اس عذاب سے نجات دلاؤ۔ چپراسی بیچارہ مصیبتوں کا مارا وہاں گیا۔ لمبے چوڑے جھگڑے کے بعد وہ درندہ پانسو روپیہ لے کر طلاق دینے پر راضی ہوا۔ اس غریب نے مرتے بھرتے کسی طرح روپے کا انتظام کیا اور مظلوم بہن کو گھر لے آیا۔ وہ کب تک بھائی کے سر پر بوجھ بنے بیٹھی رہتی۔ لیکن غریب مطلقہ سے نکاح بھی کون کرتا ..... اس دوران میں اس کا وہی پہلا خاوند پھر کہیں سے آگیا۔ منت سماجت شروع کی۔ محلے کے لوگوں نے بھی اسکی تائید کی۔ وہ پانسو روپیہ واپس دینے پر بھی آمادہ ہو گیا۔ اس مطلقہ نے اُسے غنیمت سمجھا اور اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کے لئے رضامند ہو گئی۔ لیکن مولوی صاحب نے فتوے دے دیا کہ چونکہ اسے "بین طلاق" مل چکی ہے اس لئے یہ اپنے سابقہ شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک اس کا پہلے کسی سے حلالہ نہ ہو جائے۔ پوچھا گیا کہ حلالہ کیا ہوتا ہے تو انہوں نے بتایا کہ ایک رات کے لئے نکاح اور دوسری صبح طلاق ـــــ پہلے تو اس کے لئے کوئی بھی آمادہ نہ ہوا لیکن جب ان سے کہا گیا کہ معاملہ "شریعت" کا ہے اور اس کے بغیر ان کا باہمی نکاح ہو نہیں سکتا تو وہ بیچاری سینے پر پتھر رکھ کر اس کے لئے آمادہ ہو گئی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ حلالہ ہو کس سے؟ اس کے لئے مولوی صاحب نے کہا کہ چلئے! میں ہی اس کارِ خیر میں آپ لوگوں کی مدد کئے دیتا ہوں بشرطیکہ مجھے سو روپیہ ساتھ دیا جائے۔ انہوں نے یہ زہر کا پیالہ بھی پی لیا۔ مولوی صاحب نے اپنی بیوی سے رضامندی کا کاغذ لکھوایا اور "قانون و شریعت" کے مطابق اس مطلقہ سے نکاح کر لیا ـــــ نکاح کیا تھا ایک رات کے لئے، لیکن مولوی صاحب کی نیت بدل گئی۔ اب وہ طلاق دینے کے لئے ایک ہزار روپیہ طلب فرما رہے ہیں۔

دوسری لڑکی کی شادی ایک رکشا ڈرائیور سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے گھر میں خوشحال تھی۔ اس کے ہاں تین بچے ہوئے، کہ ایک شام اس کی رکشا کو ایک تیز رَو موٹر نے اٹھا پھینکا۔ حادثہ میں رکشا چکنا چور ہو گیا اور اس کا ڈرائیور وہیں ہلاک ہو گیا۔ اس کی بیوی کا اب دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ بھائی لاچار کیا کرتا۔ گیا، اور اسے تین بچوں سمیت اٹھا کر اپنے گھر لے آیا ـــــ ایک کمانے والا، (اور کمائی بھی چپراسی کی تنخواہ) اور اتنے جی کھانے والے۔ اس پر مہنگائی کا یہ عالم کہ دال بھی دو روپے سیر سے کم نہ ملے۔ وہ سارا دن ملازمت کرتا۔ شام کو مختلف قسم کی محنت مزدوری کے کام کرتا۔ تب کہیں جا کر سوکھی روٹی نصیب ہوتی ـــــ ایک دن دفتر میں اوپر سے ہدایات آئیں کہ بجٹ زیادہ بوجھل ہو رہا ہے اخراجات کم کئے جائیں۔ اقتصادی ماہرین کی کمیٹی بیٹھی اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ چپراسیوں

اور دفتریوں کی کچھ اسامیاں تخفیف میں لائی جائیں۔ اس چھانٹی میں یہ بھی آ گیا۔ اور ملازمت سے چھٹی مل گئی۔

اب وہ گم سُم سا رہنے لگا۔ اسے اسکول کے زمانے کا پڑھا ہوا ایک ہی شعر یاد تھا۔ وہ کبھی کبھی تنہائی میں اسے گنگنانے لگ جاتا کہ

عمر اپنی جو اسی طور سے گذری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

ماں، قریب دو سال سے بیمار بستر پر پڑی ہے۔ ایک بہن مولوی صاحب کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ دوسری بچوں سمیت اس کے ہاں اپنی قسمت کو رو رہی ہے۔ مکان (جو نانا کے ورثہ میں ملا تھا) بدستور اس غاصب کے قبضہ میں ہے۔ وہ نہ اسے چھوڑتا ہے نہ کرایہ دیتا ہے۔ یہ غریب خود ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا ہے۔ عمر بھر آٹے کی فکر سے ہی فرصت نہیں ملی جو اپنی شادی کا سوچتا ـــــ اور وہ اکثر کہا کرتا ہے کہ میں نے یہی ایک کام سمجھ کا کیا ـــــ یا یوں کہئے کہ مجبوراً سمجھ کا ہو گیا ـــــ کہ میں نے اپنی شادی نہیں کی ـــــ اب اس میں یا مشقت کام کرنے کی ہمت بھی نہیں رہی۔ لیکن مشقت نہ کرے تو اتنے نفوس کا پیٹ کیسے پالے! یہی وہ مجبوری ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی لاش اپنے کندھوں پر اٹھائے اٹھائے پھر رہا ہے۔

(۰)

آزاد پارک میں جلسہ تھا۔ ایک بہت بڑے مولانا جو اسلام کی حفاظت کے غم میں بڑے ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہے تھے، دھواں دھار تقریر فرما رہے تھے۔ تان یہاں آ کر ٹوٹتی تھی کہ ـــــ اسلام خطرے میں ہے، سخت خطرے میں ہے ـــــ!

مجمع میں سے ایک آواز ابھری کہ

مولانا صاحب! اسلام ہے کہاں جو خطرے میں ہے؟

مولانا صاحب نے چلّا کر کہا کہ اسے پکڑو۔ یہ کمیونسٹ ہے۔ لوگوں نے اسے پکڑا، تو یہ وہی مالی کا لڑکا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کمیونسٹ ہو؟ اس سوال سے وہ آتشِ خاموش جو ساری عمر اس کے سینے میں سلگتی چلی آ رہی تھی، آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی طرح پھٹ کر امنڈ آئی۔ اس نے کہا کہ میں تو ایک غریب مزدور ہوں۔ میں نے کمیونسٹ کا لفظ بے شک سنا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ وہ ہوتے کون ہیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اسلام کا جو نقشہ یہ حضرات ہمارے سامنے کھینچتے رہتے

ہیں، وہ اگر کہیں موجود ہوتا تو اسے کسی قسم کا خطرہ نہ ہوتا۔ لیکن اگر "اسلام" وہی ہے جس کی موجودگی میں میری اور میرے جیسے لاکھوں مصیبت کے ماروں کی زندگی یوں گذرتی ہے، تو پھر آپ بھی سن لیں اور مولانا صاحب بھی، کہ وہ "اسلام" واقعی خطرے میں ہے۔ اسے ہزار مولاناؤں کے وعظ بھی نہیں بچا سکتے، کہ صحیح اسلام بھیجنے والے خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ باقی وہی بچیگا جو انسانوں کے لئے فائدہ مند ہوگا۔

وہ کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آکر اس کے کان میں کہا کہ تمہاری جھونپڑی سے رونے کی آواز آرہی ہے، جلدی گھر پہنچو۔

عید کارڈ

عید الفطر کی تقریب سعید پر احباب کو عید کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔ ان سے مبارک باد دینا مطلوب ہوتا ہے۔ لیکن ان پر جو کچھ خرچ آتا ہے وہ ہم سب کے علم میں ہے۔

ادارہ طلوع اسلام نے، چند برسوں سے قرآنی عید کارڈ شائع کرنے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے ایک حسین و سادہ عید کارڈ کے ساتھ ایک خوبصورت کتابچہ ہوتا ہے جس میں کسی اہم عنوان پر قرآنی تعلیم کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس سال دو کتابچے موجود ہیں۔ یعنی "انسانیت کا آخری سہارا"۔ اور عالمگیر افلاس جنہیں حقیقت سمجھ لیا گیا۔ ان میں سے جسے بھی آپ منتخب کریں، وہ کارڈ کے ساتھ لے لیں۔ کارڈ اور کتابچہ دونوں کی قیمت سوا روپیہ ہے۔ لیکن ایک کارڈ منگانے پر آپ کو کافی ڈاک خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔ اس لئے اگر آپ پانچ یا ان سے زیادہ عید کارڈ منگائیں تو ڈاک خرچ ہم خود برداشت کر لیں گے۔ اپنی فرمائش جلد بھیجئے۔

طلوع اسلام کی بزمیں، اپنی ضرورت سے بہت جلد مطلع کریں تاکہ اس کے مطابق کارڈوں کی طباعت کا انتظام کیا جا سکے۔

کارڈوں کا پیکٹ بذریعہ وی۔ پی بھیجا جائے گا۔ حسب معمول رعایتی قیمت پر۔

ناظم